بہتر اسلام

وَعَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو اَنَّ رَجُلًا سَاَلَ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَیُّ الْاِسْلَامِ خَیْرٌ قَالَ تُطْعِمُ الطَّعَامَ وَتُقْرِئُ السَّلَامَ عَلٰی مَنْ عَرَفْتَ وَمَنْ لَّمْ تَعْرِفْ. (متفق علیہ)

"عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے روایت ہے ایک آدمی نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا، کون سا اسلام بہتر ہے؟ فرمایا: کھانا کھلانا اور سلام کہنا ہر اس شخص کو جس کو تو جانتا ہے یا اس کو نہیں جانتا۔"

حاصل مطالعہ

پالیسی

یہود یہ آس لگائے بیٹھے تھے کہ نبی آخرالزمان ہم پڑھے لکھے لوگوں میں سے ہوگا۔لیکن آپ ﷺ امیوں میں مبعوث ہوئے تو یہود نے آپ ﷺ کو تسلیم کرنے میں اپنی توہین وتحقیر سمجھی۔

ان کی زندگی کی کامیابی کا راز صرف اس بات میں تھا کہ وہ انصار کو آپس میں لڑاتے رہیں۔اس طرح انہیں معاشی اور سیاسی دونوں لحاظ سے کمزور بنائے رکھیں۔اس طرح ان کا سامان حرب وضرب بھی فروخت ہوتا تھا اور ان کی اہمیت بھی اجاگر ہوتی تھی۔اسلام نے ان کے اس مشن پر کاری ضرب لگائی جس سے ان کی معیشت پر بھی منفی اثر پڑااور معاشرت وسیاست پر بھی۔

یہود گھٹیا کردار کے مالک ہونے کے باوجود اپنے آپ کو ایک برتر مخلوق سمجھتے تھے۔اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم میں ان کی بدکرداریوں کا پوری طرح سے پردہ چاک کردیا، ان کی تحریف کتاب، مکر کی چالوں، حرام خوری کے طریقوں اور عہد شکنی کے واقعات پر پوری طرح روشنی ڈالی۔ان کے عالم ہونے کے فخر کو اللہ تعالیٰ نے یہ مثال دے کر توڑ دیا کہ

''ان کے بے عمل ہونے کی بنا پر ان کی مثال ایسی ہے جیسے کسی گدھے پر کتابیں لاد دی گئی ہوں۔''

(الجمعة : ٥)

ان وجوہ کی بنا پر یہود اسلام، پیغمبر اسلام اور مسلمانوں کے جانی دشمن بن گئے۔

یہود سودی قرضے بھاری شرح سود پر اور زمینیں اور املاک رہن رکھ کر دیتے تھے اور جو کوئی یہ بھاری شرح سود اور اصل واپس ادا نہ کرسکتا اس کی املاک ضبط کر لیتے تھے اور اس طرح اپنی دولتمندی میں روز افزوں اضافہ کررہے تھے۔اسلام نے سود سے نہایت سختی سے منع کیا اور اسے اللہ ورسول ﷺ سے جنگ کے مترادف قرار دیا۔جس سے یہود کو یہ خطرہ تھا کہ اسلام لانے کی صورت میں انہیں ایسی جائیدادوں سے دستبردار ہونا پڑے گا۔

فہرست

اداریہ

ابوالعلم مولانا ندوی رحمہ اللہ کا سانحہ ارتحال

حافظ احمد شاکر

جماعت کے علمی، تدریسی اور اشاعتی حلقوں تک یہ خبر پہنچ چکی ہے کہ ابوالعلم مولانا عبدالقادر ندوی رحمہ اللہ چھیاسی سالہ زندگی گزار کر ۸ مارچ ۲۰۱۱ء کو راہی عالم جاودانی ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون آہ ؎ موت سے کس کو رستگاری ہے آج وہ کل ہماری باری ہے

مولانا ندوی رحمہ اللہ (مولانا بھٹی صاحب کی تحریر کے مطابق) اوڈاں والا میں حاجی قادر بخش کے گھر ۱۹۲۷ء میں پیدا ہوئے اور مولانا کی بزبانِ خود...... جو انہوں نے مولانا عبدالخالق آف کویت سے وفات سے قبل......ارشاد کے مطابق ان کی عمر چھیاسی سال تھی (ان دونوں روایات میں تطبیق دیتے ہوئے ۱۹۲۷ء کو عیسوی تاریخ کہہ لیا جائے اور چھیاسی سال کو قمری تاریخ پر محمول کر لینا چاہیے۔)

مولانا کی ولادت سے قبل اوڈاں والا میں مدرسہ تعلیم الاسلام قائم ہو چکا تھا۔ مولانا ندوی رحمہ اللہ نے ہوش سنبھالتے ہی تعلیم کا آغاز کر دیا۔ چھٹی جماعت کے بعد مدرسہ تعلیم الاسلام کے بانی ابوالمساکین حضرت صوفی عبداللہ صاحب رحمہ اللہ نے ان کے والد حاجی قادر بخش رحمہ اللہ سے کہا کہ دینی تعلیم کے لیے مجھے اپنا بیٹا دے دو چناں چہ صوفی صاحب کے ارشاد کی تعمیل میں حاجی قادر بخش نے اپنے چھوٹے بیٹے عبدالقادر کو دینی تعلیم کے لیے صوفی صاحب کے سپرد کر دیا یا یوں کہہ لیں کہ اللہ تعالیٰ کے لیے وقف کر دیا جہاں (مدرسہ تعلیم الاسلام اوڈاں والا میں) انہوں نے اپنے وقت کے جید اساتذہ (حضرت حافظ محمد گوندلوی، حافظ محمد اسحاق (حسین خانوالہ) مولانا عبدالرحمان لکھوی، مولانا محمد داؤد بھوجیانی اور مولانا محمد عبدہ رحمہم اللہ) سے درس نظامی کی تکمیل کی پھر بعد میں حضرت صوفی صاحب کے مشورہ کے مطابق دارالعلوم ندوۃ العلماء (لکھنو) میں داخل ہونا چاہا جس کے لیے وہ فیروز پور گئے اور مولانا محمد عطاء اللہ حنیف رحمہ اللہ سے سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ کے نام رقعہ لیا جس سے ندوی صاحب کو ندوہ کے آخری سال میں داخلہ مل گیا جہاں سے وہ ۱۹۴۶ء میں فارغ ہو کر واپس آ گئے۔

مولانا کا گھرانہ ایک زمیندار گھرانہ تھا ان کے والد کاروبار بھی کرتے، مولانا نے واپس آ کر کاروبار کے ساتھ ساتھ مدرسہ میں پڑھانا بھی شروع کر دیا پھر کچھ عرصہ بعد مدرسہ کے انتظامی معاملات میں عملاً خدمت بھی شروع کر دی۔ کاروبار کے باعث وہ تدریس جاری نہ رکھ سکے۔ مولانا جب ندوہ میں زیر تعلیم تھے اس وقت اوڈاں والا کی انجمن اہل حدیث کو انجمن اہل حدیث ضلع لائل پور کے نام سے رجسٹرڈ کروا لیا گیا تھا۔ اس وقت صوفی صاحب نے مولانا ندوی کی غیر حاضری کے باوجود انہیں انجمن کا رکن نامزد کر لیا تھا۔

حضرت صوفی صاحب رحمہ اللہ کی مدرسہ تعلیم الاسلام کو ماموں کانجن منتقل کرنے کی دیرینہ خواہش یوں بر آئی کہ مولانا ندوی نے ۱۹۶۱ء میں ۳۴ کنال زمین مدرسہ کے لیے ماموں کانجن میں خریدی اور ۱۹۶۳ء کو جزوی تعمیر کے بعد وہاں پڑھائی بھی شروع ہو چکی تھی۔ حضرت صوفی صاحب رحمہ اللہ آخر عمر میں جب سفر حج پر روانہ ہوئے تو حضرت صوفی صاحب رحمہ اللہ مدرسہ کے انتظامات مولانا ندوی کے سپرد کر کے گئے تھے۔ ۱۹۷۵ء میں حضرت صوفی رحمہ اللہ کا جب انتقال ہوا تو (مدرسہ تعلیم الاسلام جواب) جامعہ تعلیم الاسلام کے اراکین، محبین اور معاونین نے بالاتفاق مولانا ندوی کو انجمن کا صدر اور جامعہ کا مہتمم مقرر کر دیا۔

مولانا کی حیات مستعار اور ان کی دینی و ملی خدمات کا ذکر اس وقت تک ادھورا ہی رہے گا جب تک ان کے برادر اکبر چوہدری عبداللہ رحمہ اللہ کا تذکرہ نہ ہو کہ مرحوم چوہدری عبداللہ رحمہ اللہ نے اپنے عزیز بھائی کو دین کی خدمت کے لیے عمر بھر غم روزگار سے بے نیاز رکھا۔ زراعت، تجارت اور امورِ دنیا مرحوم چوہدری صاحب خود ہی سنبھالتے رہے اور عمر کے آخری حصہ میں ہر چیز کا نصف برادر عزیز کے حوالے کر کے توشۂ آخرت بنا گئے۔ رحمہ اللہ رحمۃً واسعۃً.

حضرت صوفی صاحب رحمہ اللہ نے مدارس و جامعات کی غیر محمود روایت نسلاً بعد نسلٍ صلاحیت وعدم صلاحیت کی پروا کیے بغیر (یعنی باپ کے بعد بیٹا پھر

اس کا بیٹا) کوتوڑتے ہوئے اپنے خاندان کے کسی فرد کو جامعہ کی کسی کمیٹی کا رکن تک نہ بنایا۔ مولانا نے صوفی صاحب کی اس روایت کی بڑی بیدار مغزی، بصیرت، اخلاص اور شدت سے پاسداری کرتے ہوئے احباب ومحبین جامعہ کی خواہش بلکہ اصرار کے باوجود اپنی اولاد میں سے کسی کو جامعہ کا کوئی عہدہ نہ دیا بلکہ اولاد کو اس سے روک بھی دیا۔ جب کہ خود بھی وہ ایک عرصہ سے......عملاً نہیں......قانوناً جامعہ کے عہدے سے کنارہ کش تھے۔

گزشتہ چند ہی سالوں میں مولانا پے در پے صدمات سے دوچار ہوئے، پہلے ان کا جواں سال بیٹا انتقال کر گیا، پھر شریک حیات کو بلاوا آ گیا اور وہ سفر آخرت پر روانہ ہوگئیں۔ اس کے کچھ عرصہ بعد ان کا بھتیجا اور داماد جان گسل علالت کے بعد داغ مفارقت دے گیا لیکن مولانا رحمہ اللہ نے ان تمام صدمات میں صبر ورضا کا دامن نہیں چھوڑا، مولانا کی زبان سے کبھی کوئی ایسا جملہ نہ سنا جو بے صبری کا مظہر ہو۔ **رحمة الله عليهم اجمعين.**

مولانا رحمہ اللہ کی امانت ودیانت کے لیے ایک ہی بات کافی ہے جو مولانا نے مولانا عبدالخالق (آف کویت) کو بتائی کہ جامعہ کی رقوم نہ میں نے خود قرض کے طور پر استعمال کی اور نہ ہی اس میں سے کسی فرد کو کبھی قرض دیا۔ نہ صرف مولانا خود بلکہ ان کا خاندان بھی بتوفیقہ تعالیٰ (اوڈاں والا) میں ایک خطیر رقم سالانہ جامعہ کو پیش کرتے ہیں۔ مولانا بنفس نفیس جامعہ کی ایک ایک چیز یعنی عمارات، تنصیبات، باغات کی شب وروز حفاظت فرماتے۔ جامعہ کی رقوم کی پائی پائی کی حفاظت بھی کرتے اور بچت بھی۔ مولانا رحمہ اللہ کو چوں کہ کتابوں سے طبعی محبت ورغبت تھی اس لیے مولانا جامعہ کی لائبریری کو وسعت دینا، کتابوں کی حفاظت کرنا اور لائبریری کا مختلف حلقوں اور طبقوں میں تعارف کرانا ان کے پسندیدہ مشاغل میں سے تھا۔ چناں چہ بفضلہٖ تعالیٰ جامعہ تعلیم الاسلام کی لائبریری کم وبیش پچاس ہزار کتابوں پر مشتمل ہے جو شاید جماعت کے جامعات میں وسیع ترین ہو۔

جماعت کے مختلف اصحاب کو مختلف وقتوں میں مولانا عہدیدار بناتے رہے اب وفات سے کچھ عرصہ قبل مولانا نے جامعہ کے صدر کے طور پر جامعہ تعلیم الاسلام ہی کے فارغ شدہ محترم حافظ مقصود احمد صاحب کو نامزد کر دیا۔ جو ایک عرصہ سے اسلام آباد میں دینی خدمات بصورت خطابت اور ایک ماہانہ رسالہ دعوتِ توحید کی اشاعت سے انجام دے رہے ہیں۔ اب جامعہ کے انتظامات محترم حافظ صاحب کے سپرد ہیں۔ اللہ سبحانہ وتعالیٰ ان کو مولانا کا صحیح جانشین بننے کی توفیق دے کہ جامعہ کے نتائج وثمراتِ حسنہ دین حنیف امت مسلمہ اور جماعت کے لیے زیادہ بارآور ہوکر ظہور پذیر ہوں۔ آمین ثم آمین

ع ایک شمع رہ گئی تھی سو وہ بھی خموش ہے۔ ایک مشہور ومتداول مصرع ہے لیکن ہمارا خیال ہے کہ علم دین، علمائے دین اور طلبائے دین میں سے اس کا جس قدر زیادہ اطلاق وانطباق مولانا ندوی رحمہ اللہ ذات گرامی پر ہوتا ہے وہ شاید ہی کسی اور پر ہو۔ مولانا ندوی رحمہ اللہ مزاج میں منکسر، رائے میں معتدل، سیرت میں باکمال، بصیرت میں بے مثال، فراست میں عمیق، رویے میں شفیق، علم کے دلدادہ اور علم پرور، خود کتاب شناس اور طلباءِ علم دین کے رہبر، کتابی دنیا سے باخبران کا لہجہ علم کا غماز اور وہ خود اہل علم کے لیے سراپا نیاز رہتے۔ طلبائے علم کے لیے سراپا شفقت ومحبت اور نئی پود کے لیے سراپا رأفت ورحمت، عہد کے پکے، عمل کے سچے، ہاتھ کے غنی، کام کے دھنی، علم کتاب وسنت کو پڑھانے اور پھیلانے کے لیے بے تاب اور طلباء کی خدمت کے لیے ماہی بے آب، بات کہنے کا سلیقہ، سہنے کا حوصلہ، طلباء وعلماء پر تنقید کی بجائے حوصلہ افزائی، علماء وطلباء کی چھوٹی چھوٹی خدمات کی مدح سرائی۔ حق بات کہنے سے چوکتے نہیں تھے اور ہر ملنے والے سے ان کی گفتگو **كلمو الناس على قدر عقولهم** کا مظہر ہوتی تھی۔

مولانا رحمہ اللہ کا دارالدعوۃ السلفیہ لاہور ہفت روزہ الاعتصام سے مشفقانہ ومخلصانہ تعلق تھا۔ کیوں کہ ان کے بانی مولانا محمد عطاء اللہ حنیف رحمہ اللہ کو وہ اپنا راہبر جانتے اور وہ ان کے آئیڈیل تھے۔ مولانا کے پس ماندگان یوں تو جامعہ کے فضلاء، علماء وطلباء سب ہی ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ یہ صدمہ پوری جماعت کا ہے۔ تاہم یہ سمجھتے ہوئے کہ ہم بھی مستحق تعزیت ہیں پھر بھی مولانا کی اولاد واحفاد، انجمن تعلیم الاسلام کے اراکین جامعہ کے مدرسین وطلباء سے تعزیت کرتے ہیں اور دعاگو ہیں کہ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ مولانا کو انبیاء، شہداء، صدیقین اور صالحین کی معیت نصیب فرمائے۔ آمین آمین **یااللہ الحق آمین**

درس قرآن

قسط نمبر ۴

تفسیر سورۃ الفاطر

مولانا ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ

(۹) مقامات حمد:

الحمدللہ کہنا اللہ تعالیٰ کے قرب ورضا کا باعث ہے اور یہ کلمہ اللہ کی حمد وثنا ہے، کلمۂ توحید ہے، کلمۂ شکر ہے، اور کلمۂ دعا بھی ہے۔ جس کا اہتمام مقصود ومحبوب ہے۔ مگر بعض اوقات اور مقامات پر اس کا اہتمام رسول اللہ ﷺ کی سنت اور بہت سی خیر وبرکات کا باعث ہے۔ ان تمام مقامات کا احاطہ تو یہاں مشکل ہے البتہ موضوع کی مناسبت سے بعض مواضع کا ہم یہاں ذکر کرتے ہیں۔

۱: کھانے پینے کے بعد: اللہ تعالیٰ نے بھی حلال وطیب کھانا کھا کے شکر کا حکم دیا ہے۔ چناں چہ ارشاد فرمایا:

﴿يَآأَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ٥﴾ (البقرۃ: ۱۷۲)

''اے ایمان والو! ان پاکیزہ چیزوں میں سے کھاؤ جو ہم نے تمہیں عطا فرمائی ہیں اور اللہ کا شکر کرو اگر تم صرف اسی کی عبادت کرتے ہو۔''

صحیح مسلم میں حضرت انس رضی اللہ عنہ بن مالک سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

((إن اللّٰـه لا يرضى عن العبد أن ياكل الأكلة فيحمده عليها ويشرب الشربة فيحمده عليها .)) (مسلم: ٢٧٣٤)

''بے شک اللہ اپنے اس بندے سے راضی ہوتا ہے جو ایک لقمہ کھاتا ہے تو اس پر اللہ کا شکر بجالاتا ہے۔ اور ایک گھونٹ پانی پیتا ہے تو اس پر اللہ کا شکر کرتا ہے۔''

چناں چہ کھانے کے بعد ایک دعا حضرت معاذ رضی اللہ عنہ بن انس سے یوں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے کھانا کھانے کے بعد یوں کہا:

((الحمد لله الذى أطعمني هذا ورزقنيه من غير حول مني ولا قوة .))

''تمام تعریفیں تمام شکر اللہ کے لیے ہیں جس نے مجھے کھلایا اور میری کوشش اور قوت کے بغیر مجھے رزق عطا فرمایا۔''

((غفر له ما تقدم من ذنبه))

اس کے پہلے گناہ معاف کردیئے جاتے ہیں۔

(الترمذی: ٣٤٥٨) وغیرہ

حضرت ابوایوب انصاری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب کوئی چیز نوش جاں فرماتے تو یہ دعا پڑھتے:

((الحمد للّٰـه الذى اطعم وسقى وسوّغه وجعل له مخرجا .)) (ابوداود: ٣٨٥١) وغیرہ

''تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جس نے کھلایا اور پلایا اور حلق سے بہ سہولت اتارا اور اس کے (فضلے کی صورت میں) نکلنے کا راستہ بنایا۔''

ان کے علاوہ بھی کھانے کے بعد کی ادعیہ ماثورہ منقول ہیں ہم یہاں انہی دو دعاؤں کے ذکر پر اکتفا کرتے ہیں۔

۲: حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ جب بستر مبارک پر لیٹتے تو یہ دعا پڑھتے:

((الحمد للّٰـه الذى اطعمنا وسقانا وكفانا واٰوانا فكم ممن لا كافي له ولا مؤوى .))

(مسلم: ٢٧١٥) وغیرہ

''سب تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جس نے ہمیں کھلایا، پلایا اور ہمارے لیے کافی ہوگیا اور ہمیں جگہ دی ورنہ کتنے لوگ ہیں جنہیں کوئی کفایت کرنے والا نہیں نہ کوئی جگہ دینے والا ہے۔''

۳: حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب نیند سے بیدار ہوتے تو یہ دعا پڑھتے:

((الحمد للّٰه الذی احیانا بعد ما اماتنا وإلیه النشور.)) (صحیح بخاری: ٦٣١٢)وغیرہ

''سب تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جس نے ہمیں (عارضی) موت کے بعد زندہ کیا اور اسی کی طرف دوبارہ زندہ ہوکر جانا ہے۔''

نیند کو ''اخو الموت'' کہا گیا ہے۔ بسا اوقات سویا ہوا انسان موت کے منہ میں چلا جاتا ہے۔ نیند سے صحیح سالم بیدار ہوتا ہے تو اس پر اللہ کی حمد وثنا اور شکر بجالاتا ہے۔

۴: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جب کوئی نیند سے بیدار ہوتو یہ دعا پڑھے:

((الحمد للّٰه الذی ردّ علی روحی وعافانی فی جسدی وأذن لی بذکره.)) (ترمذی: ٣٤٠١) وغیرہ

''تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جس نے میری روح کو دوبارہ میری طرف لوٹایا، جسمانی طور پر عافیت بخشی اور اپنے ذکر کا موقع فراہم کیا۔''

۵: حضرت معاذ رضی اللہ عنہ بن انس فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو شخص لباس پہنتے وقت حسب ذیل دعا پڑھے اللہ تعالیٰ اس کے گناہ معاف کردیتے ہیں:

((الحمد للّٰه الذی کسانی هذا الثوب ورزقنیه من غیر حول منی ولا قوة.)) (ابوداود: ٤٠٢٣)وغیرہ

''سب تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جس نے مجھے یہ لباس پہنایا اور میری کوشش اور قوت کے بغیر مجھے رزق عطا فرمایا۔''

۶: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: جو کسی مصیبت زدہ کو دیکھ کر یہ دعا پڑھ لے تو وہ اس مصیبت سے محفوظ رہے گا۔

((الحمد للّٰه الذی عافانی مما ابتلاك به وفضلنی علی کثیر ممن خلق تفضیلاً.)) (ترمذی: ٣٤٣١)وغیرہ

''تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جس نے مجھے اس مصیبت سے محفوظ رکھا جس میں تم مبتلا ہو، اور مجھے اپنی بہت سی مخلوق پر فضیلت عطا فرمائی۔''

ایک روایت میں ہے کہ وہ یہ کلمات مریض کو نہ سنائے۔

۷: امّ المومنین سیّدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کوئی پسندیدہ چیز دیکھتے تو فرماتے:

((الحمد للّٰه الذی بنعمته تتم الصالحات))

''سب تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جس کے فضل سے تمام اچھی چیزیں اتمام پذیر ہوئیں۔'' اور جب کوئی ناپسندیدہ چیز دیکھتے تو فرماتے: ((الحمد للّٰه علی کل حال)) ''ہر حالت پر سب تعریفیں اللہ تعالیٰ ہی کے لیے ہیں۔'' (ابن ماجه: ٣٨٠٣۔ حاکم، ج: ١، ص: ٤٩٩)

۸: پہلے گزر چکا ہے کہ جب چھینک آئے تو ''الحمد لله'' کہا جائے۔ اور یہ کلمۂ حمد سننے والا جواباً ''یرحمك الله'' کہے۔ اور چھینک والا اس کے جواب میں ''یهدیکم الله ویصلح بالکم'' کہے۔ (بخاری: ٦٢٢٤ وغیرہ)

۹: نماز میں یہی ﴿الحمد للّٰه ربّ العالمین﴾ پڑھنے کا حکم فرمایا۔ یہ مکمل سورۃ ام القرآن، سبع مثانی، شافیہ، کافیہ ہے۔ اور فرمایا اس کے بغیر کوئی نماز نہیں ہوتی۔ رکوع سے اٹھتے ہوئے حمد، سلام کے بعد ''الحمد لله'' تینتیس مرتبہ یا کم سے کم دس مرتبہ پڑھنے کا حکم۔ ہر خطبہ کا آغاز الحمد لله سے۔ جس سے

"الحمد لله" کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے۔ہم نے ان مواضع کا استیعاب نہیں کیا۔ شائقین ''دعا اور دوا کے مسنون آداب'' مرتبہ مولانا عبدالحق ﷾، حصن المسلم للشیخ سعید بن علی القحطانی ترجمہ مولانا حافظ عبدالسلام صاحب زید مجدہ ملاحظہ فرمائیں۔

(۱۰) الحمد للہ کے بعض جامع کلمات:

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی حمد وثنا کی فضیلت اور اس کے اجر وثواب کا پہلے مختصراً ذکر ہوا ہے۔ اللہ کی حمد کا بہت جامع کلمہ وہ ہے جس سے اللہ تعالیٰ نے اپنے کلامِ پاک کا آغاز کیا ہے۔ اور وہ ہے ﴿الحمد للّٰه رب العالمين﴾ احادیث مبارکہ میں بھی بعض جامع کلماتِ تسبیح وتحمید کا ذکر آیا ہے۔ جن میں سے بعض کلمات کا ہم یہاں ذکر کرتے ہیں:

۱: پہلے ذکر ہوا ہے "سبحان الله والحمد لله ولا اله الا اللّٰه واكبر" یہ چار کلمات اللہ تعالیٰ کے ہاں بڑے محبوب، بڑے افضل اور بڑی خیر وبرکات کے حامل ہیں۔ معراج کی رات حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آپ ﷺ سے فرمایا تھا کہ میرا سلام اپنی امت کو دینا اور ان کلمات کو پڑھنے کا بتلانا۔

(ترمذی، الصحیحۃ: ۱۵۰۰)

ایک صحابی نے صحیح طور پر قرآن پاک نہ پڑھ سکنے کا عذر پیش کرتے ہوئے عرض کیا کہ کچھ کلمات بتلا دیجیے جو قرآنِ پاک نہ پڑھنے کی کمی کو کفایت کرسکیں۔ تو آپ ﷺ نے انہی کلماتِ اربعہ کے پڑھنے کا حکم دیا۔ (احمد، ج: ٤، ص: ٣٥٣، ٣٥٦۔ ابوداود۔ صحیح الترغیب: ١٥٦١۔ الارواء، ج: ٢، ص: ١٢)

بعض روایات میں ان کے ساتھ ''ولاحول ولاقوۃ الا باللہ'' کا ذکر بھی آیا ہے۔

۲: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: دو کلمے رحمٰن کے ہاں بڑے محبوب ہیں، پڑھنے میں بڑے آسان ہیں، میزان میں بڑے بھاری ہیں:

سبحان الله وبحمده، سبحان الله العظيم.

(بخاری: ٧٥٦٣ وغیرہ)

''اللہ پاک ہے اپنی حمد کے ساتھ، پاک ہے اللہ عظمت والا۔''

۳: حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص صبح وشام سو، سو مرتبہ یوں کہے: "سبحان الله وبحمده" پاک ہے اللہ اپنی حمد کے ساتھ، تو قیامت کے روز کوئی شخص اس کے عمل سے افضل عمل لے کر نہیں آئے گا سوائے اس شخص کے جس نے اس کے برابر یا اس سے زیادہ مرتبہ یہ کلمہ کہا ہوگا۔ (مسلم: ٦٨٤٣) وغیرہ۔ صحیح مسلم، رقم: ۶۸۴۲ وغیرہ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ ہی سے مروی ہے کہ جو کوئی روزانہ سو مرتبہ "سبحان الله وبحمده" پڑھتا ہے۔ اللہ اس کے (صغیرہ) گناہ معاف کردیتے ہیں اگرچہ سمندر کی جھاگ کے برابر ہی کیوں نہ ہوں۔

صحیح مسلم: ۶۹۲۵ ہی کی ایک روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ سب سے افضل کلام کون سا ہے؟ آپ نے ارشاد فرمایا وہ جو اللہ تعالیٰ نے اپنے فرشتوں کے لیے منتخب کیا ہے اور وہ ہے: "سبحان الله وبحمده" اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے عرش کا طواف کرنے والے فرشتوں کے بارے میں فرمایا ہے:

﴿وَتَرَى الْمَلَٰٓئِكَةَ حَآفِّينَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ يُسَبِّحُونَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ﴾ (الزمر: ٧٥)

''اور تو فرشتوں کو دیکھے گا عرش کے گرد گھیرا ڈالے ہوئے اپنے ربّ کی حمد کے ساتھ تسبیح کررہے ہیں۔''

ایک اور مقام پر فرمایا:

﴿الَّذِينَ يَحْمِلُونَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهُ يُسَبِّحُونَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ﴾ (غافر: ٧)

''وہ (فرشتے) جو عرش کو اٹھائے ہوئے ہیں اور وہ جو اس کے اردگرد ہیں اپنے ربّ کی حمد کے ساتھ تسبیح کرتے ہیں۔''

۴: حضرت سیّدہ جویریہ رضی اللہ عنہا امّ المومنین کا بیان ہے کہ رسول اللہ

ﷺ میرے گھر سے باہر تشریف لے گئے تو ضحیٰ کے وقت کے بعد واپس تشریف لائے اور میں بیٹھی ذکر اللہ میں مصروف تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا جب سے میں گیا ہوں تم اسی حالت میں بیٹھی ہوئی ہو، میں نے عرض کیا جی ہاں۔ آپ نے فرمایا: میں نے تمہارے پاس سے جانے کے بعد چار کلمات تین دفعہ کہے ہیں اگر ان کا وزن اس ذکر سے کیا جائے جو آج تو نے کیا ہے تو ان تین مرتبہ کہے ہوئے چار کلمات کا وزن بڑھ جائے۔ وہ کلمات حسب ذیل ہیں:

سبحان اللہ وبحمدہ عدد خلقہ، ورضا نفسہ، وزنۃ عرشہ ومداد کلماتہ. (مسلم: ۶۹۱۳) وغیرہ

''اللہ پاک ہے اپنی حمد کے ساتھ اس کی مخلوق کی تعداد کے برابر اور اس کی رضا کے مطابق، اور اس کے عرش کے وزن کے برابر اور اس کے کلمات کی سیاہی کے برابر۔''

تسبیح وتحمید کے ان کلمات پر غور فرمائیے۔ ان سے مقصود اللہ تعالیٰ کی بے حد و بے شمار حمد وثنا ہے۔ کہ یہ اللہ کی مخلوق کے برابر، وہ کہاں کہاں ہے اور کیا ہے خود اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے فرمادیا ہے ﴿**وما یعلم جنود ربك الا ھو**﴾ تیرے رب کے لشکروں کو صرف وہی جانتا ہے۔ یہ تحمید وتسبیح اس قدر کہ اللہ تعالیٰ اس پر راضی ہوجائے، یہ تحمید وتسبیح اللہ کے عرش کے وزن کے برابر، جو زمین اور اس کے اوپر ساتوں آسمانوں کو گھیرے ہوئے ہے۔ پھر یہ تحمید وتسبیح اس کے کلمات کی سیاہی کے برابر۔ جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا کہ

﴿قُلْ لَّوْ كَانَ الْبَحْرُ مِدَادًا لِّكَلِمٰتِ رَبِّیْ لَنَفِدَ الْبَحْرُ قَبْلَ اَنْ تَنْفَدَ كَلِمٰتُ رَبِّیْ وَ لَوْ جِئْنَا بِمِثْلِهٖ مَدَدًا۝﴾

''کہہ دے اگر سمندر میرے ربّ کے کلمات کے لیے سیاہی بن جائے تو یقیناً سمندر ختم ہوجائے گا اس سے پہلے کہ میرے ربّ کے کلمات ختم ہوں، اگر چہ ہم اس کے برابر اور سیاہی لے آئیں۔'' (الکہف: ۱۰۹)

اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے کلمات ختم کیوں کر ہوں۔ نہ ابتدا نہ ان کی کوئی انتہاء، جب کہ مخلوق کی ابتدا بھی ہے اور انتہاء بھی، لہٰذا مخلوق تو ختم ہوجائے گی حی قیوم کے کلمات ختم نہیں ہوں گے۔

نیز فرمایا:

﴿وَ لَوْ اَنَّ مَا فِی الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّ الْبَحْرُ يَمُدُّهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ۝﴾ (لقمان: ۲۷)

''اور اگر واقعی ایسا ہو کہ زمین میں جو بھی درخت ہیں قلمیں ہوں اور سمندر کی سیاہی ہو، جس کے بعد سات سمندر اور ہوں تو بھی اللہ کے کلمات ختم نہ ہوں گے، یقیناً اللہ سب پر غالب کمال حکمت والا ہے۔''

یوں ساری مخلوق مل کر نہ اللہ کے کلمات کا احاطہ کرسکتی ہے نہ عرشِ الٰہی کے وزن کا اندازہ ہوسکتا ہے، نہ اللہ کی رضا کی برابری کا اور نہ ہی اللہ کی مخلوق کا شمار وقطار ہوسکتا ہے۔ اللہ کے کلمات تو لامحدود اور لامتناہی ہیں، لامحدود کمالات کا مالک لامحدود کلمات کے ذریعہ اپنے کمالات کا اظہار کرتا رہتا ہے تو کسی محدود کو کیا یارا ہے کہ ان کا احاطہ کرپائے......!

۵: حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے کہ ایک صاحب نماز کے لیے صف میں کھڑے ہوئے اس کی سانس تیز تیز تھی اس نے ''اللہ اکبر'' یعنی تکبیر تحریمہ کے بعد کہا:

الحمد للّٰہ حمدا کثیراً طیباً مبارکاً فیہ .

''سب تعریفیں اللہ کے لیے، بہت زیادہ پاکیزہ اور بابرکت حمد۔''

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تم میں سے یہ کلمات کہنے والا کون ہے؟ تو اس آدمی نے کہا میں ہوں، آپ نے فرمایا میں نے بارہ فرشتوں کو دیکھا وہ جلدی کرتے تھے کہ ان میں سے کون ان کلمات کو اٹھائے۔

(مسلم: ۱۳۵۷) وغیرہ

۶: حضرت رفاعہ بن رافع رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ہم رسول اللہ ﷺ

کے پیچھے نماز پڑھ رہے تھے ایک ساتھی کو رکوع کے بعد چھینک آئی تو اس نے کہا

الحمد لله حمداً كثيراً طيباً مباركاً فيه ، مباركاً عليه كما يحب ربنا ويرضى .

(النسائي : ۹۳۲ وغيره)

بخاری شریف وغیرہ میں چھینک آنے کا ذکر نہیں ہے اور الفاظ "ربنا لك الحمد" الخ ہیں۔ حافظ ابن حجر رحمہ اللہ نے کہا ہے کہ چھینک رکوع کے بعد آئی ہو اور یہ کلماتِ الحمد پڑھے ہوں، یوں دونوں روایات میں تطبیق ہوجاتی ہے۔ رسولِ کریم ﷺ نے جب یہ کلمات سنے تو فرمایا یہ کلمات کہنے والا کون تھا۔ کسی نے جواب نہ دیا تو آپ ﷺ نے تین بار یہی سوال دہرایا تو حضرت رفاعہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں میں نے عرض کیا جی ہاں میں نے یہ کلمات کہے ہیں۔ آپ نے فرمایا: میں نے تیس سے زائد فرشتوں کو دیکھا وہ ان کو لکھنے میں ایک دوسرے سے سبقت لے رہے تھے کہ کون انہیں پہلے لکھتا ہے۔

۷: حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ہمیں رسول اللہ ﷺ نے بتلایا:

ان عبداً من عباد الله قال: "يا رب! لك الحمد كما ينبغي لجلال وجهك ولعظيم سلطانك .

''اللہ کے بندوں میں سے ایک بندے نے کہا: اے میرے رب! سب تعریفیں تیرے ہی لیے ہیں۔ جیسے آپ کی عظمت وجلال کے اور آپ کی عظیم بادشاہت کے شایانِ شان ہے۔''

دو فرشتے بہت جلدی کر رہے تھے اور نہیں سمجھ پا رہے تھے کہ ان کو کیوں کر لکھیں۔ وہ آسمان پر گئے تو اللہ ربّ العزت سے کہنے لگے سوائے اللہ تیرے بندے نے بات کہی ہے ہم نہیں سمجھتے کہ انہیں کیوں کر لکھیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: (وہ خوب جانتے ہیں کہ اس کے بندے نے کیا کہا ہے۔) میرے بندے نے کیا کہا ہے؟ انہوں نے کہا اے اللہ! اس نے یوں کہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اكتباها كما قال عبدي حتى يلقاني فاجزيه بها . (ابن ماجه : ۳۸۰۱، طبراني : ۱۳۲۹۷۔ التهذيب للمزي، ج : ۹، ص : ۷۵)

''جس طرح میرے بندے نے کہا تم اسی طرح لکھ دو، جب وہ مجھے ملے گا تو میں ان کی جزاء اسے دوں گا۔''

علامہ المنذری رحمہ اللہ نے فرمایا ہے کہ اس کی سند متصل اور راوی ثقہ ہیں۔ مگر صدقہ بن بشیر کے بارے میں جرح وتعدیل مجھے مستحضر نہیں۔ علامہ البانی نے ضعیف الترغیب میں اسے ذکر کرکے صدقہ کو مجہول قرار دیا ہے۔ حالاں کہ امام ابن ماکولہ نے الاکمال، ج:۱، ص:۲۹۰ میں اسے ثقہ کہا ہے۔ لہٰذا یہ روایت ضعیف نہیں صحیح ہے۔

ایک ''الحمد'' کے الفاظ قبل ازیں ''الحمد للہ سب سے بڑی نعمت ہے'' کے ضمن میں بھی نقل کر آئے ہیں۔ ہم انہی کلمات کے ذکر پر اکتفاء کرتے ہیں۔ شائقین الترغیب والترہیب اور ادعیہ مسنونہ پر مشتمل دیگر کتب کی مراجعت فرمائیں۔

درسِ حدیث

توفیق الباری

"الادب المفرد" للبخاری کا اردو ترجمہ مع تشریحات وفوائد

از حضرت نواب سید صدیق حسن خان صاحب رحمہ اللہ

تسہیل: حافظ محمد اشرف سعید (نیوکرول شالامار باغ۔لاہور)

باب: يقال للرجل والشيء والفرس: هو بحر

کسی آدمی یا کسی چیز یا گھوڑے کے متعلق کہنا کہ دریا جیسا ہے

٩٠٣ . عن أنسِ بنِ مالكٍ رضی اللہ عنہ يقولُ: كانَ فَزَعٌ بِالْمَدِيْنةِ فَاسْتَعَارَ النَّبِيُّ ﷺ فَرَسًا لأَبِي طَلْحَةَ يُقَالُ لَهُ: اَلْمَنْدُوبُ، فركِبَهُ، فَلَمَّا رَجَعَ قَالَ: ((مَا رَأَيْنَا مِنْ شَيْءٍ، وَإِنْ وَجدنَاهُ لَبَحْرًا.))

(صحيح البخاری)

''حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں (ایک رات مدینہ منورہ میں نامانوس آواز کے سننے کی وجہ سے) گھبراہٹ پیدا ہوگئی تو رسول اللہ ﷺ نے ابوطلحہ سے ان کا گھوڑا جس کا نام مندوب تھا مستعار لے کر اس پر سوار ہوکر اس آواز کی طرف تشریف لے گئے جب آپ واپس تشریف لائے تو فرمایا گھبراؤ نہیں ہم نے وہاں کوئی چیز نہیں پائی ہم نے اس گھوڑے کو دریا کی طرح چلتا پایا ہے۔''

باب: الضّرب على اللحن

غلط پڑھنے پر مارنا

٩٠٤ . عن نافعٍ قَالَ: كانَ ابْنُ عمرَ يَضْرِبُ وَلَدَهُ عَلَى اللَّحْنِ. (صحيح الإسناد)

''حضرت نافع رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما اپنی اولاد کو غلط پڑھنے پر مارتے تھے۔''

فائدہ: یہ حدیث دلیل ہے جواز ضرب علی التعلیم والتادیب پر۔

٩٠٥ . عن عبد الرَّحمٰن بن عَجْلانَ قال: مَرَّ عمرُ بنُ الخطاب رضی الله عنه برجلين يَرْمِيَان، فقال أحدهما للآخر: أَسْبَتَ، فقالَ عمرُ: سُوْءُ اللَّحْنِ أشدُّ من سوءِ الرَّمْيِ.

(ضعيف)

''حضرت عبدالرحمٰن بن عجلان سے روایت ہے وہ بیان کرتے ہیں حضرت عمر رضی اللہ عنہ بن خطاب دو آدمیوں کے پاس سے گزرے جو تیر اندازی کررہے تھے ایک نے دوسرے کو کہا اسبت (صاد کی بجائے سین سے) کہا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا لفظ کی غلطی تیراندازی کی غلطی سے زیادہ بری ہے۔''

فائدہ: اثر دلیل ہے ذم لحن پر لیکن اب نوبت لحن کی خاص ملک عرب میں خصوصاً حرمین شریفین میں یہاں تک پہنچی ہے کہ اہل علم بھی وہی زبان سوقہ واہل سوق بولتے ہیں۔ نتیجہ اس لحن کا یہ ہوا کہ علم اٹھ گیا اور جہل عام ہوگیا اور عامہ خلائق کو فہم قرآن وحدیث سے محرومی نصیب ہوئی۔ فانا للہ

باب: الرجل يقول: ليس بشيء وهو يريد أنه ليس بحقّ

کسی آدمی کا لیس بشیء سے لیس بحق کا ارادہ کرنا

٩٠٦ . عن عروةَ بن الزّبير، أنّه سمعَ عروةَ بنَ الزّبير يقولُ: قالتْ عائشةُ زوجُ النَّبِيِّ ﷺ: سأَلَ ناسٌ النَّبِيَّ ﷺ عن الْكُهَّانِ؟ فقالَ لهم:

((لَيْسُوا بِشَيْءٍ)) فقالُوا: يا رَسُولَ اللّٰهِ، فإنّهم يُحَدِّثُون بالشّيءِ يكونُ حَقًّا، فَقالَ النَّبِيُّ ﷺ ((تِلْكَ الْكَلِمَةُ [من الحقّ] يخطَفُهَا الشّيطانُ فَيُقَرْقِرُهَا بِأُذُنَيْ وليِّهِ كَقَرْقَرَةِ الدَّجَاجَةِ، فَيَخْلُطُوْنَ فِيْها بأكثرَ مِنْ مِائَةِ كَذْبَةٍ.))

(صحيح البخاری)

''حضرت عروہ بن زبیر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ وہ بیان کرتی ہیں کچھ لوگوں نے رسول اللہ ﷺ کے کاہنوں کے متعلق دریافت کیا تو آپ ﷺ نے ارشادفرمایا ان کا کوئی اعتبار نہیں تو انہوں نے عرض کیا اے اللہ کے رسول ﷺ کاہن لوگ کچھ ایسی باتیں بتاتے ہیں جو سچی ہوجاتی ہیں یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے ارشادفرمایا یہ ایسے کلمات ہوتے ہیں جن کو شیطان آسمانوں سے اچک لیتا ہے پھر اس کو اپنے دوستوں کے کانوں میں ڈال دیتا ہے بالکل ایسے ہی جیسے مرغی کڑکڑاتی ہے پھر یہ کاہن شیطان کے یہ دوست اس میں سو جھوٹ ملا کر بتاتے ہیں۔''

فائدہ: کاہن کی تصدیق کرنا کفر ہے اور اس کو غیب دان جاننا شرک ہے اس کو اپنی خبر نہیں ہوتی وہ دوسرے کا حال کیا جانے۔ ہاں ایمان کھونے کے لیے یہ نسخہ مجرب ہے کہ کسی کاہن یا برہمن سے غیب کی خبر پوچھے اور ساعت نیک وبد دریافت کرے اور معتقد ومراعی نجوم ہو۔

باب: المعاریض

معاریض کا بیان

٩٠٧. عن أنسِ بنِ مالكٍ قالَ: كانَ رَسُوْلَ اللّٰهِ فِيْ مَسِيْرٍ لهُ، فَحَدَا الْحَادِي، فَقَالَ النَّبِيُّ ﷺ: ((أرْفِقْ يَا أنْجَشَةُ ـ وَيْحَكَ ـ بِالْقَوَارِيْرِ.))

(صحيح البخاری)

''حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ کسی سفر میں تھے ایک حدی خوان نے حدی کہی اس پر آپ ﷺ نے فرمایا یا انجشہ ذرا نرمی کرو۔ انجشہ تیری خیر ہو شیشیوں کا خیال کرو۔''

فائدہ: قواریر سے تعریض فرمائی طرف نساء کے کہ یہ شیشے کی طرح ضعیف دل ہوتی ہیں۔ انجشہ حضرت محمد ﷺ کے حدی خواں تھے۔

٩٠٨. عنِ ابنِ عمرَ ـ فيما أرىٰ شكَّ أبي ـ أنه قالَ: حَسْبَ امْرِئٍ مِنَ الْكَذِبِ أنْ يُحَدِّثُ بِكُلِّ مَا سَمِعَ، قَالَ وفيما أرىٰ قالَ: قالَ عمرُ: أمَا فِي المَعَارِيضِ ما يَكْفِيْ المسلمَ الكَذِبَ؟

(صحيح موقوفاً)

''عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے وہ بیان کرتے ہیں کہ آدمی کو جھوٹا ہونے کے لیے کافی ہے جو کچھ وہ سنے (بلا تحقیق) اسے آگے بیان کردے حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ البتہ تعریض میں مسلمان کے لیے جھوٹ سے بچنے کی گنجائش ہوتی ہے یعنی مسلمان کو عوض دروغ کے تعریض کفایت کرتی ہو۔''

٩٠٩. عن مُطَرِّفِ بنِ عَبد اللّٰهِ بن الشِّخِّير قالَ: صَحِبتُ عِمْرَانَ بْنَ حُصَيْنٍ إلى البَصْرَةِ، فَمَا أتى علينَا يومٌ إلاَّ أنشدَنَا فيهِ الشِّعْرَ، وقالَ: إنَّ فِي مَعَارِيْضِ الْكَلامِ لَمَنْدُوْحَةً عَنِ الْكَذِبِ. (صحيح موقوفاً)

''مطرف بن عبداللہ بن شخیر سے روایت ہے کہ وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے عمران بن حصین کے ساتھ بصرہ کا سفر کیا ہم پر کوئی ایسا دن نہیں گزرتا تھا جس میں وہ ہم کو شعر پڑھ کر نہ سناتے ہوں اور کہتے کہ معاریض کلام میں جھوٹ سے بچنے کی گنجائش ہوتی ہے۔''

فائدہ: جب تعریض سے کام نکلتا ہو تو پھر جھوٹ کیوں بولے۔

مذاکرۂ علمیہ

کیا کسی بھی مرحلے میں عورت کو حق طلاق تفویض کیا جاسکتا ہے؟

ایک مذاکرۂ علمیہ اور قابل تنقیح مسئلہ

حافظ صلاح الدین یوسف، مدیر: شعبہ تحقیق وتالیف دارالسلام لاہور

ہفت روزہ الاعتصام جلد:۶۲، شمارہ ۴۹ (۱۷ دسمبر ۲۰۱۰ء) میں تفویض طلاق کی بابت مولانا مفتی عبیداللہ عفیف صاحب ﷾ کا ایک فتویٰ شائع ہوا ہے۔

سوال یہ تھا کہ کیا خاوند طلاق کا حق اپنی بیوی کو تفویض کرسکتا ہے یا نہیں؟

اس سوال کے جواب میں جو کچھ تحریر کیا گیا ہے، اس سے واضح طور پر مسئلے کی تنقیح نہیں ہوتی۔ مفتی صاحب موصوف نے اپنے فتویٰ کا خلاصہ حسب ذیل بیان کیا ہے۔

> ''خاوند بلا کسی جبر واکراہ کے آزاد مرضی سے بیوی کو حق طلاق تفویض کرسکتا ہے، مگر بیوی کے اقرباء خاوند کو تفویض طلاق پر مجبور نہیں کرسکتے اور جبر واکراہ کے نتیجے میں حاصل شدہ حق تفویض بیوی استعمال کرنے کی ہرگز مجاز نہ ہوگی۔''

اس جواب میں دو چیزیں ہیں:

۱: خاوند اپنی مرضی سے بیوی کو حق طلاق تفویض کرسکتا ہے۔

۲: خاوند کو جبر واکراہ کے ذریعے سے حق طلاق تفویض کرنے پر مجبور نہیں کیا جاسکتا، اگر اس طرح کیا جائے گا تو جبراً لیے گئے حق طلاق کو عورت استعمال کرنے کی مجاز نہیں ہوگی، یعنی اس طرح طلاق نہیں ہوگی۔

اصل بات یہ ہے کہ تین شرعی اصطلاحات ہیں جو اس فتویٰ میں گڈمڈ ہوگئی ہیں۔

۱: ایک ہے، اختیار، یعنی خاوند بیوی کو کہے کہ میں تیرے فلاں فلاں مطالبات پورے نہیں کرسکتا، لہٰذا اگر تو مجھ سے علیحدہ ہونا چاہتی ہے تو تجھے اختیار ہے۔ عورت اگر اپنے مطالبات کو ترجیح دے کر علیحدگی کو پسند کرلیتی ہے۔ تو اس کا یہ اقدام طلاق شمار ہوگا، خاوند کو طلاق دینے کی ضرورت ہی نہیں ہوگی۔ نبی ﷺ کی ازواجِ مطہرات کی جو مثال پیش کی گئی ہے، اس کا تعلق اسی صورت سے ہے۔ اس کا زیر بحث تفویض طلاق سے کوئی تعلق نہیں۔ اس لیے نہ اس کو اس بحث میں پیش کرنا صحیح ہے اور نہ اس سے تفویض طلاق ہی کا جواز ثابت ہوتا ہے چاہے خاوند اپنی آزاد مرضی ہی سے یہ کام کرے۔

۲: دوسری اصطلاح ہے، توکیل۔ یعنی ایک جائز کام کو خود کرنے کے بجائے، کسی دوسرے شخص سے کرایا جائے۔ شریعت نے اس کو جائز رکھا ہے، اس کو نیابت بھی کہا جاتا ہے۔ طلاق دینا بھی (ناگزیر حالات میں) جائز ہے اور یہ صرف خاوند کا حق ہے، تاہم خاوند اپنا حق طلاق وکیل کے ذریعے سے استعمال کرے تو دوسرے معاملات کی طرح یہ توکیل بھی جائز ہے۔ قرآنِ کریم کی آیت

> ﴿ وَاِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوْا حَكَمًا مِّنْ اَهْلِهٖ وَحَكَمًا مِّنْ اَهْلِهَا ۚ ﴾ (النساء: ۳۵)

میں جمہور علماء کے نزدیک حکمین کے توکیل بالفرقۃ ہی کے اختیار کا بیان ہے۔

اسی توکیل میں وہ صورت بھی شامل ہے جو بعض دفعہ توکیل یا تفویض کی ضرورت پیدا کردیتے ہیں، مثلاً ایک شخص اپنی بیوی کے

ساتھ اچھا برتاؤ نہیں کرتا حتی کہ بیوی بار بار اپنے میکے آ جاتی ہے اور خاوند بار بار حسن سلوک کا وعدہ کر کے لے جاتا ہے لیکن وعدے کے مطابق حسن سلوک نہیں کرتا، بالآخر عورت کے والدین تنگ آ کر اس سے وعدہ لیں کہ اس دفعہ عہد کی پاسداری نہیں کی تو ہم آئندہ اس کو تمہارے پاس نہیں بھیجیں گے، خاوند سے پنچایت میں یہ اقرار لیا جائے۔ اس صورت میں یہ پنچایت توکیل بالفرقۃ کا کردار ادا کر کے دونوں کے درمیان جدائی کروا دے۔

پنچایت یا عدالت کا یہ فیصلہ طلاق کے قائم مقام ہو جائے گا۔ جیسے خلع میں عدالت کا فیصلہ فسخ نکاح سمجھا جاتا ہے۔ مطلب یہ ہے کہ اس صورت میں بھی عورت کے اقرباء خاوند سے تفویض طلاق کا مطالبہ نہیں کر سکتے کہ تم بیوی کو حق طلاق تفویض کرو، یعنی معاہدۂ حسن سلوک کی پاسداری نہ کی گئی تو بیوی حق طلاق استعمال کر لے گی۔ بلکہ خلع کی طرح پنچایت یا عدالت ہی علیحدگی کا فیصلہ کرے گی۔ خلع میں اور اس توکیل میں فرق یہ ہے کہ خلع میں حق مہر کی واپسی کا حق خاوند کو حاصل ہے جب کہ پنچایتی فیصلے میں خاوند کو یہ حق نہیں ہوگا۔ کیوں کہ یہ جدائی خاوند کے اقرار یا وعدے کی بنیاد پر ہوگی۔ دوسرے، توکیل کی وجہ سے یہ جدائی طلاق کے قائم مقام ہوگی۔

۳: تیسری اصطلاح تفویض ہے۔ یعنی خاوند سے نکاح کے موقع پر بیوی کو تفویض طلاق کا حق لکھوا لیا جائے جیسا کہ ہمارے موجودہ نکاح ناموں میں یہ شق موجود ہے۔

فقہاء شاید اس کی اجازت دیتے ہیں اور غالبًا اسی کی بنیاد پر ہی نکاح نامے میں یہ شق شامل کی گئی ہے۔ لیکن ہماری ناقص رائے میں اس تفویض طلاق کے جواز کی کوئی شرعی دلیل نہیں ہے۔ شریعت نے حق طلاق صرف اور صرف مرد ہی کو دیا ہے جس کی وجوہات مفتی صاحب ﷾ کے محولہ فتویٰ میں موجود ہے اور عین نکاح کے موقعے پر بیوی کو حق طلاق تفویض کرنا، ان تمام حکمتوں کی نفی ہے جو حق طلاق کو صرف مرد کے ساتھ خاص کرنے میں مضمر ہیں۔

اس اعتبار سے عورت کو کسی بھی مرحلے میں حق طلاق تفویض نہیں کیا جا سکتا۔ نہ ابتدا میں اور نہ عدم موافقت کی صورت میں۔ عدم موافقت کی صورت میں تین صورتیں جائز ہوں گی۔

- نبی ﷺ کی طرح خاوند کی طرف سے عورت کو اختیار دیا جا سکتا ہے۔
- یا پھر حکمَین کے ذریعے سے توکیل کا اہتمام کیا جائے گا۔
- یا خلع یا پنچایت کے ذریعے سے علیحدگی عمل میں لائی جائے گی۔

ان کے علاوہ کوئی چوتھا طریقہ اسلام کی تعلیمات کے مطابق نہیں ہوگا۔

ملحوظہ: علمائے کرام اور مفتیانِ عظام راقم کی طالب علمانہ رائے کی بابت اپنی مؤقر رائے سے آگاہ فرمائیں تاکہ مسئلہ زیر بحث کی مزید وضاحت اور تنقیح ہو جائے۔

هذا ما عندي والله اعلم بالصواب.

مذمتی اجلاس

ضلع پشاور کے ایک علاقہ شیخ محمدی میں حال ہی میں نوتعمیر شدہ ایک جامع مسجد اہل حدیث کو بعض شر پسند عناصر نے مؤرخہ ۱۲ مارچ ۲۰۱۱ء کو ریموٹ بم سے حملہ کر کے شہید کر دیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

مسجد اہل حدیث کی شہادت پر جامع مسجد اہل حدیث سرکی گیٹ پشاور میں علمائے اہل حدیث کا ہنگامی و مذمتی اجلاس منعقد ہوا۔ اجلاس میں پشاور ضلع کے کثیر علمائے کرام واحباب جماعت نے شرکت کی اور صدارت فضیلۃ الشیخ امین اللہ پشاوری ﷾ نے کی۔ الشیخ غلام اللہ رحمتی، الشیخ ابوسعید بن عبدالسلام رستمی نے اس واقعے کی شدید مذمت کی۔ نیز حکومت سے مطالبہ کیا گیا کہ اہل حدیث مساجد ومدارس کو تحفظ فراہم کیا جائے۔ علمائے کرام نے قرآن وسنت کی دعوت وتبلیغ کے لیے ایک نئے عظم کا بھی اظہار کیا۔

محمد نسیم سلفی (سیکرٹری نشر واشاعت)
موبائل: 0333-9154899 پشاور

علوم الحدیث — قسط نمبر ①

علم غریب الحدیث ...... ایک تحقیقی مطالعہ

مس ظل ہما، محمد احسن فاروقی (ایم۔فل)

علومِ حدیث کی اقسام وانواع بہت زیادہ ہیں۔ متقدمین میں سے حاکم نیشاپوری رحمہ اللہ نے "معرفة علوم الحدیث" میں باون، ابن الصلاح رحمہ اللہ نے "مقدمہ ابن الصلاح"، امام نووی رحمہ اللہ نے "التقریب فن اصول الحدیث" اور ابن ملقن رحمہ اللہ نے "المقنع فی علوم الحدیث" میں پینسٹھ اور سیوطی رحمہ اللہ نے "تدریب الراوی فی شرح تقریب النواوی" میں ترانوے علوم ذکر کیے ہیں۔

علامہ سیوطی رحمہ اللہ سے ان کی بابت منقول ہے:

اعلم أن انواع علوم الحدیث کثیرة لا تعد.

(تدریب الراوی فی شرح تقریب النواوی، ص: ٢٢)

"یعنی علوم حدیث کی انواع بے شمار ہیں، انہیں گنا نہیں جاسکتا۔"

حازمی رحمہ اللہ اس حوالے سے یوں رقم طراز ہیں:

علم الحدیث یشمل علی انواع کثیرة تبلغ مائة، کل نوع منھا علم مستقل، لو انفق الطالب فیه عمره ما أدرك نھایته. (ایضاً)

"علم حدیث کی بہت سی اقسام ہیں جن کی تعداد سو تک پہنچتی ہے۔ان میں سے ہر نوع ایک مستقل علم ہے۔اگر طالب علم اس میں تمام عصر صرف کردے تو بھی اس کا انتہاء کو نہیں پہنچ سکتا۔"

علوم حدیث کی انواع میں سے ایک اہم نوع علم غریب الحدیث ہے جس سے اس مضمون میں متعارف جارہا ہے۔

لغوی مفہوم:

لفظ غریب کا مادہ (غ، ر، ب) ہے۔لغات میں یہ متعدد معنوں میں استعمال ہوا ہے جن میں سے چند یہ ہیں:

"البعد" بمعنی دوری "الامعان فی البلاد" شہروں سے دور ہونا، (القاموس المحیط: ١/٢٦٤) "الذھاب والتنحی عن الناس" چلے جانا اور لوگوں سے کنارہ کشی اختیار کرنا، "التنحی عن حد وطنه" اپنے وطن کی سرحد سے دور رہنا (لسان العرب: ١/٦٣٨)، "النفی عن البلد" جلاوطنی "حد کل شیء" ہر چیز کا کنارہ (معجم تھذیب اللغة: ٣/٤٥-٢٦٤٣) "النشاة" جوش عمل (لسان العرب: ١/٦٤١) اور "التمادی" کسی معاملے کی انتہا (ایضاً) وغیرہ۔لیکن جب اس لفظ کا استعمال کسی کلام یا بات کے لیے کیا جائے تو اس سے مراد پوشیدہ اور مخفی بات ہوتی ہے جیسا کہ خلیل بن احمد اور ابن منظور لکھتے ہیں:

الغریب: الغامض من الکلام.

(لسان العرب: ١/٦٤٠)

"غریب سے مراد پوشیدہ اور مخفی المعنی بات ہے۔"

ازہری لفظ "غریب" کی وضاحت میں یوں رقم طراز ہیں:

الغریب من الکلام العقمی الغامض.

(معجم تھذیب اللغة: ٣/٢٦٤٤)

"غریب سے مراد ایسا کلام ہے جس میں بہت زیادہ پیچیدہ معانی ہوں۔"

خطابی لکھتے ہیں:

الغریب من الکلام انما ھو الغامض البعید من الفھم. (غریب الحدیث: ١/٧٠)

"غریب ایسا پیچیدہ کلام ہے جو سمجھ اور فہم سے دور ہو۔"

فیروز آبادی اور زبیدی نے بھی اپنی لغات میں اسی مفہوم کو بیان کیا ہے۔(القاموس المحیط: ۱/ ۲٦٤)

محمد اعلیٰ بن علی الفاروقی التھانوی لکھتے ہیں:

الکلمة غیر ظاهرة المعنی ولا مانوسة الاستعمال سواء کانت بالنظر الی الاعراب الخلّص او بالنظر الینا وتلك الکلمة تسمّٰی غریباً. (کشاف اصطلاحات الفنون: ۲/ ۱۰۸٦)

''ایسا کلمہ جس کا معنی غیر ظاہر ہو اور مانوس الاستعمال بھی نہ ہو چاہے خالص بدوؤں کے لحاظ سے یا ہمارے اعتبار سے، اس کو غریب کہا جاتا ہے۔''

اصطلاحی مفہوم:

اصولِ حدیث کی اصطلاح میں ''غریب'' اس حدیث کو کہا جاتا ہے جس کے متن میں کوئی ایسا لفظ پایا جائے جس کے معنی ندرت اور قلت استعمال کی وجہ سے سمجھ وفہم سے بعید تر ہوں۔ اس سلسلہ میں ابن الصلاح رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وهو عبارة عما وقع فی متون الاحادیث من الالفاظ الغامضة البعیدة الفهم لقلة استعمالها.

(مقدمه ابن الصلاح فی علوم الحدیث، ص: ۱۳۷)

''اس سے مراد متون حدیث میں مذکورہ وہ الفاظ ہیں جو قلت استعمال کے سبب مبہم اور سمجھ سے بالاتر ہوں۔''

امام نووی، طیبی، ابن ملقن اور حافظ عراقی، محمود طحان اور محمد بن محمد علی الفارسی رحمہم اللہ نے بھی اپنی کتب میں کم وبیش انہی الفاظ اور مفہوم کو اختیار کیا ہے۔(التقریب فن اصول الحدیث، ص: ۳۲)

محمد نجیب المطیعی رحمہ اللہ نے اس کی وضاحت یوں کی ہے:

الغریب فهو ما یخفی معناه من المتون لقلة استعماله وتداوله بحیث یبعد فهمه ولا یظهر الا بالتفتیش من کتب اللغة. (تبسیط علوم الحدیث وأدب الروایة، ص: ۱۵۰)

''غریب وہ متن ہوتا ہے جس کا معنی قلت استعمال کی وجہ سے مخفی ہوتا ہے اور اس کو اس حیثیت سے لیا جاتا ہے کہ وہ فہم سے دور ہے اور لغت کی کتابوں میں تلاش کرنے سے اس کا معنی واضح ہوتا ہے۔''

امیر صنعانی رحمہ اللہ نے غرابت کا سبب عہد صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے بعد عربی زبان وادب سے شغف کی کمی کو قرار دیتے ہوئے اس کی تعریف یوں کی ہے:

المراد بغریب الحدیث هنا ما وقع فی متون الاحادیث من الألفاظ الغریبة عن أذهان الذین بعد عهدهم بالعربیة الخالصة. (توضیح الافکار لمعانی تنقیح الانظار، جلد: ۲، ص: ۴۱۲)

ادیب صالح اس علم کا ہدف بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

فانه یهدف الی الکشف عن معانی الفاظ الاحادیث التی تخفی علی الکثیرین.

(لمحات فی اصول الحدیث، ص: ۷۹)

''یہ علم احادیث کے ان الفاظ کے معانی واضح کرنے کو ہدف بناتا ہے جو بہت سے لوگوں پر مخفی ہوتے ہیں۔''

مولانا عزالدین ایک نیا پہلو بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اس علم کے تحت بعض خاص قبائل کے مصطلحات ومحاورات، جو عرب میں عام طور پر بولے نہ جاتے تھے اور وہ حدیث میں کسی نہ کسی طرح آ گئے ہیں، ان کی تحقیق ہوتی ہے۔''(علوم الحدیث، ص: ۱۳٤)

ان تمام تعریفات کی رو سے اس علم کے تحت متون احادیث میں مختلف وجوہات کی بنا پر وارد شدہ ان نادر اور غریب الفاظ کے مفہوم کی تحقیق کی جاتی ہے جن کی معرفت قلت استعمال کی وجہ سے مجہول ہوگئی ہو اور اس معرفت وتفسیر کا حصول مختلف شواہد وطرق کے ذریعہ سے ممکن ہوتا ہے۔

اہمیت:

علومِ حدیث سے متعلق دیگر علوم کی طرح یہ فن بھی ضرورت واہمیت کے اعتبار سے انتہائی اہمیت کا حامل ہے۔ اس پر عبور حاصل کیے بغیر کوئی محدث اور عالم حدیث میں موجود غریب الفاظ کے معانی اور مفاہیم سے آ گاہ نہیں ہوسکتا اور نہ اس آ گاہی کے بغیر اس کی رسائی حدیث کی تشریح وتوضیح تک ہوسکتی ہے اور نہ اس سے احکامات کا استنباط ہی ممکن رہے گا۔ گویا ایک محدث کوفن حدیث میں مہارت تامہ کے لیے جن ابتدائی علوم سے آ گاہی درکار ہے یہ علم بھی ان میں سے ایک ہے۔ چناں چہ امیر صنعانی لکھتے ہیں:

معرفة ذلك والتدقيق فى البحث عنه من اوائل ما ينبغى لطالب الحديث النبوى .

(توضيح الافكار: ٤١٢/٢)

''اس علم کی معرفت اور اس کی بحث میں باریک بینی ان ابتدائی بنیادی باتوں میں سے ہے جو حدیث نبوی ﷺ کے طالب علم کے لیے ضروری ہیں۔''

ایک محدث کی اس علم سے معرفت کی ضرورت کو نور الدین عتر اس طرح بیان کرتے ہیں:

معرفة معانى هذه الالفاظ مهم بالنسبة للمحدث، كى لا يكون زاملة للأخبار لا يدرى ما يرويه وقد نبه العلماء على وجوب التحرى والتوقى فى بحثه، لئلا يقع المتعرض له فى تحريف الكلم عن مواضعه والقول على الله بغير علم .

(منهج النقد فى علوم الحديث، ص: ٣٣٢)

''ان (غریب) الفاظ کے معانی کی معرفت محدث کے لیے بہت ضروری ہے تا کہ وہ ایسی حدیثوں کو بیان کرنے والا نہ ہوجائے جن کو وہ جانتا نہیں اور علماء نے اس فن کی بحث میں گہری تلاش اور احتیاط کے وجوب پر متنبہ کیا ہے تا کہ کلمات میں تحریف کرنے والا معترض اس میں تحریف نہ کرسکے اور اللہ پر بغیر علم کے کوئی بات کہہ دے۔''

عجاج الخطیب اس کی ضرورت واہمیت بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

...... لما يترتب عليه من ضبط الفاظ الحديث وفهم معناه، اذ من العسير على المرء أن يروى ما لا يفهم، أو ينقل ما لا يحسن أدائه، ومعرفة مفردات الحديث ومعناه هى الخطوة الاولٰى الى فهم معنى الحديث واستنباط الحكم منه، وتتأكد العناية بمعرفة غريب الحديث لمن يروى الحديث بالمعنٰى .

(اصول الحديث علومه ومصطلحه، ص: ٢٨٠)

''...... حدیث کے الفاظ کا ضبط اور اس کے معانی کا فہم اس علم پر مرتب ہوتا ہے اس بنا پر کہ آدمی کے لیے یہ بات مشکل ہے کہ وہ اس چیز کو روایت کردے جس کو وہ سمجھتا نہیں یا اس چیز کو نقل کردے جسے وہ اچھی طرح ادا نہیں کرسکتا۔ حدیث کے مفردات اور ان کے معانی کی معرفت، حدیث کے معانی کو سمجھنے اور اس سے احکام کو استنباط کرنے کے لیے پہلا قدم ہے اور حدیث کو بالمعنی روایت کرنے والے کے لیے حدیث کے غریب الفاظ کی معرفت بہت ضروری ہے۔''

اس کی اہمیت کا ایک پہلو احادیث پر عمل سے متعلق ہونا بھی ہے کیوں کہ بغیر فہم کے عمل پیرا نہیں ہوا جاسکتا۔ اسی پہلو کی طرف اشارہ کرتے ہوئے احمد محمد شاکر رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

هو من المهمات المتعلقة بفهم الحديث والعلم والعمل به، لا بمعرفة صناعة الاسناد وما يتعلق به . (الباعث الحثيث شرح اختصار علوم الحديث، ص: ١٥٩)

''وہ ان اہم چیزوں میں سے ہے جو حدیث کے فہم، علم اور اس پر عمل کرنے کے متعلق ہیں نہ کہ اسناد اور اس کے متعلقہ

امور کی کاریگری کی معرفت سے۔''

متقدمین نے اس علم کی صعوبت، اس میں زیادہ تحقیق، انہماک اور اس کے غور وخوض کے متقاضی ہونے کو بھی بیان کیا ہے۔ یہ بات اس کی اہمیت پر دلالت کرتی ہے۔ چناں چہ ابن الصلاح رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

هذا فن مهم يقبح جهله بأهل الحديث خاصة ثـم بـأهـل الـعلم عامة، والخوض فيها ليس بـالهيـن والـخائض فيه حقيق بالتحرى جدير بالتوقى.

(مقدمه ابن الصلاح فی علوم الحديث، ص: ١٣٧)

''یہ ایک اہم فن ہے جس سے ناواقفیت اصحاب حدیث کے لیے خاص طور پر، جب کہ اہل علم کے لیے عام طور پر ناپسند کی جاتی ہے۔ اس میں غور وفکر کرنا آسان نہیں اور اس میں انہماک رکھنے والے کے لیے تحقیق وجستجو اور احتیاط مناسب ہے۔''

احمد محمد شاکر رحمہ اللہ نے اس بات کو جامع انداز میں یوں ذکر کیا ہے:

هـذا الـفـن مـن أهـم فـنـون الحديث واللغة ويـجب على طالب الحديث اتقانه والخوض فيـه صـعـب، والاحتيـاط فى تفسير الألفاظ النبوية واجب فلا يقد من عليه أحد برأيه.

(الباعث الحثيث، ص: ١٦٠)

''یہ فن لغت اور حدیث کے اہم ترین فنون میں سے ہے اور حدیث کے طالب پر اس میں رسوخ حاصل کرنا واجب ہے اور اس فن میں غوطہ خوری امر صعب ہے اور الفاظ نبویہ ﷺ کی تفسیر میں احتیاط واجب ہے محض اپنی رائے سے اس کام میں پیش قدمی ہرگز نہیں کرنی چاہیے۔''

امام نووی اور ابن ملقن رحمہما اللہ نے بھی اہمیت کے انہی پہلوؤں کی نشان دہی کی ہے۔ (التقـريـب، ص: ٢٢۔ الـمقـنـع فی علوم الحديث، ج: ٢، ص٤٤٣)

اس علم کی اہمیت کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ علماء ومحدثین نے غریب الفاظ کے مرادی مفہوم تک رسائی کے لیے انتہائی محتاط روش اختیار کی ہے کیوں کہ انہیں خوف تھا کہ کہیں وہ قولِ رسول ﷺ کی محض اپنے ظن وگمان پر مبنی تفسیر کرکے گناہ کے مرتکب نہ ہوجائیں۔ چناں چہ ایک مرتبہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ سے غریب لفظ کے بارے میں پوچھا گیا تو وہ کہنے لگے:

سـلـوا أصحاب الغريب، فأنى أكره أن اتكلم فى قول رسول الله ﷺ بالظن فأخطئ.

(مقدمه ابن الصلاح، ص: ١٣٧)

''غریب الحدیث کے علماء سے پوچھو، کیوں کہ میں اس بات کو ناپسند کرتا ہوں کہ رسول ﷺ کے قول پر اپنے گمان کے مطابق بات کرکے خطا کا ارتکاب کروں۔''

اس طرح ایک مرتبہ امام اصمعی (اہل لغت) سے جب حدیث کے غریب لفظ کے بارے میں پوچھا گیا کہ

يا ابا سعيد ما معنى قول رسول الله ﷺ "الجار أحق بسقبه". (سنن نسائی: ٤٧٠٦، ٤٧٠٧)

اے ابوسعید! حضور ﷺ کے اس قول "الـجار أحق بسقبه" کا کیا مفہوم ہے تو آپ نے انتہائی محتاط روش اختیار کرتے ہوئے فرمایا:

انـا لا أفسـر حـديـث رسـول الله ﷺ، ولكن العرب تزعم أن السقب للزيق.

''میں نبی ﷺ کے قول کی تفسیر تو نہیں کرتا لیکن عربوں کا خیال ہے کہ ''سقب'' کے معنی ''ساتھ چمٹے ہوئے'' کے ہیں۔'' (تدريب الراوى، ص: ٢٦٩)

گویا اس علم کے ذریعہ سے علمائے امت نے جہاں احادیث کی حقیقی تشریح وتوضیح اور اس کے فہم کو ممکن بنایا وہاں اس ضمن میں ہر قسم کے ظن وگمان کا استعمال بھی بالکل روک دیا۔

غریب الفاظ کی تفسیر کا طریقہ:

پهلا طريقه: حدیث کے کسی مشکل لفظ کی تفسیر ومعرفت کا مستند

طریقہ یہ ہے کہ کسی لفظ کی تفسیر کے لیے اس حدیث کی دوسری روایات پر غور کیا جائے اگر ان روایات سے اس لفظ کی تشریح ہو جائے تو اسے ہی اس کی تفسیر میں بیان کر دیا جائے۔ مثلاً:

''مریض کی نماز'' سے متعلق عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ حدیث ہے:

صلّ قائماً فان لم تستطع فقاعداً، فان لم تستطع فعلى جنب. (صحيح البخارى: ١١١٧)

فرمایا ''نماز کھڑے ہو کر پڑھو اگر کھڑے ہونے کی قدرت نہیں تو بیٹھ کر پڑھو اگر اس پر بھی قادر نہیں تو پھر پہلو کے بل پڑھو۔''

اس حدیث میں لفظ ''جنب'' غریب ہے اور اس میں ابہام یہ ہے کہ کس پہلو پر نماز پڑھی جائے، دائیں پر یا بائیں پر۔ اس غریب لفظ کی وضاحت حدیث علی رضی اللہ عنہ سے یوں ہوتی ہے۔

على جنبه الأيمن مستقبل القبلة بوجهه.

''اپنے دائیں پہلو پر اس طرح کہ اس کا چہرہ قبلہ کی جانب ہو۔'' (سنن دارقطنى: ٢/٤٢ـ٤٣)

دوسرا طریقہ: اگر کسی دوسری حدیث سے استشہاد نہ ملے تو پھر غریب الفاظ کی تفسیر کے لیے کلام عرب کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔ ابوعبید القاسم رحمہ اللہ اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

...... أن السلف اذا وجدوا كلمة غريبة أو معنى مستغلقا فى متن القرآن والحديث ولم يكن النبى ﷺ ولا صحابته موجودين لا يضاح غريب اللغات وتاويل العبارات رجعوا الى كلام العرب وأشعارهم للبحث عن مادتها ولاستكشاف معانيها. (غريب الحديث: ١/٥)

''...... اسلاف جب کوئی غریب کلمہ یا قرآن وحدیث کے متن میں کوئی مغلق معانی پاتے، اس حال میں کہ نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم عبارات کی تاویل اور غریب لغات کی تشریح کے لیے موجود نہ ہوتے تو وہ کلام عرب اور ان کے اشعار کی طرف رجوع کرتے تاکہ وہ اس حرف کا مادہ تلاش کریں اور اس کے معانی کی وضاحت حاصل کر سکیں۔''

احادیث میں غریب الفاظ کی کثرت کے اسباب:

جہاں تک احادیث میں غریب الفاظ کی کثرت کے اسباب کا تعلق ہے تو اس حوالے سے ہمیں متقدمین کے ہاں دو نقطہ ہائے نظر ملتے ہیں۔ اس بات سے تو ہم بخوبی آگاہ ہیں کہ حضور ﷺ افصح العرب، فصیح اللسان، واضح البیان اور مواقع خطاب کو سب سے زیادہ جاننے والے تھے۔ آپ ﷺ گفتگو میں ہمیشہ اللہ تعالیٰ کے اس حکم کو پیش نظر رکھتے تھے کہ

امرت أن أخاطب الناس على قدر عقولهم.

''مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے ان کی عقلوں کے مطابق بات کروں۔''

چناں چہ ایسے ہی ایک موقع پر جب آپ ﷺ اہل عرب کے کسی وفد سے ہم کلام تھے تو حضرت علی رضی اللہ عنہ آپ ﷺ سے اس طرح مخاطب ہوئے:

يا رسول الله ﷺ نحن بنو أب واحد، ونراك تكلم وفود العرب بما لا نفهم أكثره.

''یا رسول اللہ ﷺ ہم ایک نسل سے ہیں اور آپ ﷺ عرب کے وفود سے ایسی گفتگو کرتے ہیں جس میں اکثر کی ہمیں سمجھ نہیں لگتی۔''

آپ ﷺ نے فرمایا:

ادبنى ربى فاحسن تأديبى وربيت فى بنى سعد. (مقدمه النهاية فى غريب الحديث والاثر: ٤/١)

''میرے رب نے میری تربیت کی اور بہت اچھی تربیت کی اور میں نے بنی سعد میں پرورش پائی ہے۔''

چناں چہ اس سلسلہ میں ایک نقطہ نظر ابن الاثیر رحمہ اللہ کا ہے وہ آپ ﷺ کی اسی خوبی اور ذمہ داری کی مناسبت سے فرماتے ہیں:

فکان الله عزوجل قد أعلمه ما لم یکن یعلمه غیره من بنی أبیه . (ایضاً)

اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو وہ علم دیا جسے آپ ﷺ کے علاوہ کوئی دوسرا نہ جانتا تھا۔ گویا ابن الاثیر رحمہ اللہ نادر الفاظ کے ورود کو خاص عطیہ الٰہی قرار دیتے ہیں اور اس میں کسی دوسرے سبب کا ردّ کرتے ہیں۔

اس حوالے سے دوسرا موقف خطابی رحمہ اللہ کا ہے۔ ان کے نزدیک غریب الفاظ کی کثرت کا سبب راویوں کا باہم مختلف ہونا ہے۔ اس سے ان کی مراد آپ ﷺ کی مجلس میں بیٹھنے والے اصحاب کا مختلف الفہم، مختلف اللسان اور مختلف القبائل ہونا ہے۔ چناں چہ اس اختلاف کے سبب آپ ﷺ کو کلام میں تکرار کی ضرورت پیش آتی جس میں الفاظ بدل بدل کر مفہوم ادا کیا جاتا تاکہ بات زیادہ سے زیادہ قابل فہم ہوجائے۔ چناں چہ خطابی رحمہ اللہ لکھتے ہیں:

وقد تختلف عنها عباراته ، ویتکرر فیها بیانه ، لیکون أوقع للسامعین ، وأقرب الی فهم من کان منهم أقلّ فقها وأقرب بالاسلام عهدا وأولو الحفظ والاتقان من فقهاء الصحابة یرعونها (کلها) سمعا ، ویستوفونها حفظاً ، ویودونها علی اختلاف جهاتها ، فیجتمع لذلك فی القضیة الواحدة عدّة الفاظ ، تحتها معنیً واحد . (غریب الحدیث: ۱/۶۸)

''بسا اوقات ایک ہی واقعے کے بارے میں آپ ﷺ کی عبارات مختلف ہوتیں اور ایک ہی چیز کو بیان کرنے میں تکرار سے کام لیتے تاکہ وہ سامعین کے لیے زیادہ واضح ہوجائے اور ان میں سے کم فقیہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور نئے نئے اسلام قبول کرنے والوں کے فہم کے بھی قریب ہوجائے۔ حفظ واتقان کے اعلیٰ درجے پر فائز صحابہ رضی اللہ عنہم سننے اور حفاظت کرنے کا پورا پورا حق ادا کرتے تھے اور اس کو مختلف جہات سے بیان کرتے، پس یہی سبب تھا کہ ایک ہی بات کو بیان کرنے میں متعدد الفاظ ایک ہی معانی کے لیے اکٹھے ہوگئے۔''

خطابی رحمہ اللہ نے اس بات کی مزید وضاحت کی ہے ان کے بیان کے مطابق:

''ان مختلف المراتب اصحاب کے لیے آسان نہ ہوتا تھا کہ وہ آپ ﷺ کے الفاظ کو اچھی طرح محفوظ کریں یا اس کو یاد کرنے کا پختہ ارادہ کریں بلکہ اس کی بجائے وہ صرف سیاق وسباق کو جاننے کے سبب آپ ﷺ کے الفاظ کی مراد کو پالیتے تھے پھر وہ اپنے قبائل اور لغات کے اختلاف کی وجہ سے ان مرادی معنوں کو اپنی اپنی لغت اور زبان میں نہ صرف ڈھالتے بلکہ تفسیر وتوضیح بھی کرتے۔ گویا اس لیے ایک ایسی حدیث میں جس کی متعدد سندیں ہیں مرادی معانی اور مفہوم کو بیان کرنے کے لیے مختلف الفاظ استعمال کیے گئے ہیں۔'' (غریب الحدیث: ۱/۶۸،۶۹)

اس مؤقف کی تائید میں خطابی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب میں کچھ مثالوں کو بھی ذکر کیا ہے۔ بات کی تفہیم کے لیے ان میں سے ایک مثال کا ذکر کیے دیتی ہوں:

''ایک آدمی آپ ﷺ کو ہر سال شراب کی مشک ہدیہ کیا کرتا تھا جس سال شراب حرام ہوئی اس نے تب بھی ہدیہ بھیجا۔ آپ ﷺ نے فرمایا شراب حرام ہوگئی ہے۔ اس نے آپ ﷺ سے اس کے بیچنے کی اجازت طلب کی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: بے شک وہ چیز جس کا پینا حرام ہے، اس کا بیچنا بھی حرام ہے۔ اس نے کہا میں اب اس کا کیا کروں؟ فرمایا:

سنها فی البطحاء ''بطحا کی وادی میں بہادے۔'' جب کہ دیگر روایات میں بہانے کے لیے ''فهتها'' اور ''فبعّها'' کے الفاظ بھی آئے ہیں۔ (غریب الحدیث، ص: ۶۹) (جاری ہے)

فکر ونظر

سیاسی امور ومعاملات، انتہا پسندانہ رویے اور منہج نبوی ﷺ

پروفیسر ڈاکٹر قبلہ ایاز (چیئرمین شعبہ مطالعات سیرت، پشاور یونیورسٹی، پشاور)

آج کل معاشرے میں مختلف قسم کے انتہا پسندانہ رویے جنم لے رہے ہیں۔ ان رویوں کا تعلق انفرادی بھی ہے اور اجتماعی بھی۔ اجتماعی انتہا پسندانہ رویے معاشرے کو شکست وریخت کا شکار بنا دیتے ہیں اور ایسے لا ینحل مسائل پیدا کرنے کا باعث بنتے ہیں جن کے دیرپا منفی اثرات دیر قائم رہتے ہیں۔

سیاسی امور ومعاملات ہماری سوسائٹی کے ہر شعبہ پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ لیکن مقام صد افسوس ہے کہ ہمارے ملک میں یہی معاملات سب سے زیادہ انتہا پسندانہ رویوں کا شکار ہیں۔ عقیدے اور مکتب فکر کے اختلاف نے حالات کو اتنا گھمبیر بنا دیا ہے کہ ہر صبح کے اخبارات فرقہ وارانہ بنیادوں پر قتل مقاتلے سے بھرے رہتے ہیں۔ دوسرے مذاہب سے تعلق رکھنے والے اقلیتی آبادی کے افراد کے ساتھ بھی ہمارے تعلقات کی نوعیت بین الاقوامی طور پر پاکستان کے لیے روز افزوں مشکلات کا باعث بن رہی ہے۔ مختلف جماعتوں کے ساتھ تعلق رکھنے والے سیاسی کارکن بھی اکثر مواقع پر معمول کے تعلقات کار تک برقرار رکھنے میں ناکام رہتے ہیں۔ الغرض اس خصوصی اور اہم ترین میدان میں ہماری مجموعی قومی کارکردگی حد درجہ ناقابل رشک ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عالمی ذرائع ابلاغ میں ہمیں ایک غیر مہذب اور ناشائستہ قوم اور پاکستان کو ایک ناکام ریاست کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔

داخلی اور اندرونی طور پر اس قسم کی صورت حال کے جو اثرات مرتب ہو رہے ہیں۔ وہ فہمیدہ اور سنجیدہ طبقہ اہل علم سے مخفی نہیں۔ لیکن اس کے بیرونی اور خارجی اثرات کا ادراک شاید زیادہ عام نہیں۔ کارگل کے مسئلے پر پاکستان کی پسپائی کو ایک علیحدہ واقعہ کے طور پر نہیں لینا چاہیے۔ یہ دراصل اس مجموعی قومی کارکردگی کا شاخسانہ ہے جس کا مظاہرہ ہم ایک عرصے سے کر رہے ہیں۔ ہمیں بڑی جرأت سے یہ اعتراف کرنا چاہیے کہ ہم تیزی سے عالمی طور پر تنہا ہو رہے ہیں اور ہمارے روایتی دوست بھی اب ہمارے بارے میں زیادہ گرم جوشی کا مظاہرہ کرنے سے ہچکچا رہے ہیں۔

ان حالات کے پیش نظر اس بات کی اہمیت مزید بڑھ گئی ہے کہ ہم پہلے سے زیادہ عمیق طریقے سے سیرتِ رسول ﷺ کا مطالعہ کریں اور دیکھیں کہ اس کامل اور مکمل عظیم شخصیت نے اس قسم کی صورت حال میں عملی طور پر ہماری کیا رہنمائی فرمائی ہے۔ اور ہم آنحضرت ﷺ کے تعامل سے ابتلاء وآزمائش کے اس دور پر خطر میں کیا روشنی حاصل کر سکتے ہیں۔ تاریخ اسلام میں میثاق مدینہ کو ریاستی امور کے حوالے سے بڑی اہمیت حاصل ہے۔

اس میثاق سے بآسانی یہ اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کی سیرت میں غیر مسلموں کے ساتھ تعلقات کار کے لیے اساس موجود ہے۔ اس معاہدے میں مدینہ کے اس وقت کے معاشرتی اور سماجی حالات کو پیش نظر رکھتے ہوئے ایک متفقہ فارمولے پر مشتمل دستاویز کو تحریری شکل میں ترتیب دیا گیا، جس میں بنیادی نکتہ یہ تھا کہ ہر فریق کو مذہبی آزادی حاصل ہوگی۔

واضح رہے کہ یہ معاہدہ یہودی قبائل کے ساتھ تھا جن کو اس وقت مدینہ میں ایک ایسی حیثیت حاصل تھی جس کو نظر انداز کرنا ممکن نہ تھا۔ لیکن اس معاہدے کے ذریعے مسلمانوں کا وہ بنیادی بشری حق تسلیم کر لیا گیا جو ان کو مکہ کے ماحول میں حاصل نہ تھا۔

یہ عہد نامہ مدینہ کی سرزمین کے تمام باسیوں کا عقیدہ ومذہب کے لحاظ کے بغیر مل جل کر رہنے کے لیے ایک آئین تھا۔

مذہبی آزادی پر اتفاق کے علاوہ اس عہد نامے میں یہ بھی طے کیا گیا تھا کہ فریقین کے باہمی تعلقات خیر سگالی اور نیکی و بھلائی کے ہوں گے۔ مظلوم کی مدد کی جائے گی اور مدینہ پر حملہ ہونے کی صورت میں دونوں ایک دوسرے کی مدد کریں گے۔ اس میثاق سے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں کہ سیاسی معاملات میں رسول اللہ ﷺ کا پسندیدہ طرز عمل یہ رہا ہے کہ ہر ممکن حد تک پر امن اور آئینی طریقوں کے ذریعے حصولِ اہداف کے لیے کوشش کی جائے۔ میثاق مدینہ کی مختلف شقیں پیغمبر خدا ﷺ کے اس رجحان کا بدیہی مظہر ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ یہودی قبائل کے عزائم رسول اکرم ﷺ کی خواہشات اور ترجیحات سے مختلف تھے، جس کی وجہ سے یہ معاہدہ اپنے مطلوبہ اہداف حاصل کرنے میں پوری طرح کامیاب نہ ہوسکا۔

(السيرة النبويه لابن هشام، ج: ۲، ص: ۱۰ تا ۱۶)

رسول اللہ ﷺ کے اسی طرزِ عمل اور منہج کا ایک اور مظاہرہ ۶۲۸ء میں سامنے آیا ہے جب ۶ ہجری میں آپ ﷺ نے اپنے صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے ساتھ کعبۃ اللہ کی زیارت کا قصد فرمایا۔ حدیبیہ کے مقام پر آپ کو اطلاع ملی کہ قریش نے آپ کی مزاحمت کا فیصلہ کرلیا ہے یہ ایک مشکل صورت حال تھی۔ لیکن آپ ﷺ نے غیر جذباتی اور پر امن طریقے سے حالات کے ساتھ نمٹنے کی کوششیں شروع فرمائیں اور مذاکرات کا راستہ اختیار کیا۔ نتیجتاً آپ ﷺ نے اس بات پر اتفاق کرلیا کہ اس سال مسلمان کعبۃ اللہ کی زیارت کیے بغیر واپس چلے جائیں گے۔ اگلے سال غیر مسلح صورت میں صرف تین دن تک مکہ میں قیام کریں گے۔ نیز اگر کوئی شخص مسلمان ہو کر مدینہ جائے تو اسے واپس کردیا جائے گا لیکن اگر کوئی مسلمان مکہ کے کافروں کے ساتھ شامل ہونا چاہے تو اسے مدینہ واپس ہونے کے لیے مجبور نہیں کیا جائے گا۔

تاریخ اسلام میں اس صلح کو صلح حدیبیہ کے نام سے موسوم کیا جاتا ہے۔ اس صلح کی اکثر شقیں ظاہری طور پر مسلمانوں کے لیے اہانت آمیز تھیں، خصوصاً ایسے حالات میں جب کہ اس سے کچھ عرصہ قبل کافروں کا متحدہ محاذ مدینہ کو فتح کرنے میں ناکام ہوچکا تھا اور مسلمانوں کی حیثیت بڑی مضبوط تھی۔

لیکن واقعات بتاتے ہیں کہ اللہ کے پیغمبر ﷺ نے یہ پابندیاں محض دو دیگر شقوں کی خاطر مان لی تھیں جن کے تحت فریقین کے درمیان قبائل عرب کو اس بات کی اجازت دینے پر اتفاق کرلیا گیا تھا کہ وہ اپنی مرضی کے مطابق قریش مکہ یا مسلمانوں کے درمیان کسی بھی فریق کے حلیف بننے کا اختیار رکھتے ہیں۔ نیز یہ کہ صلح کا یہ معاہدہ دس سال تک نافذ العمل رہے گا۔

آپ ﷺ کو یقین تھا کہ جب ایک بار اسلام کو امن کی فضا نصیب ہوجائے اور اس کا یہ حق تسلیم کرلیا جائے کہ ہر کوئی اس کا پیغام اس کے مخالفین کی طرف سے جبر وتشدد کے خطرے کے بغیر سن سکتا ہے اور قبول کرسکتا ہے تو اس میں اتنی تاثیر ہے کہ لوگوں کی ایک بڑی تعداد اس پر ایمان لے آئے گی۔

تاریخ اسلام شاہد ہے کہ صلح حدیبیہ کی ان دو آخر الذکر شقوں کی وجہ سے خطے میں امن وامان کی حالت بہتر ہوگئی، تجارتی آمد ورفت میں اضافہ ہوا۔ لوگوں کو آزادانہ ماحول میں ایک دوسرے کے ساتھ ملنے کے مواقع ملے۔ بحث ومذاکرہ کے ماحول نے جنم لیا۔ نتیجتاً اسلام کے اصولوں اور تعلیمات کے بارے میں عام آدمی کی معلومات میں اضافہ ہوا۔ سابقہ جنگی ماحول نے اسلام کی اثر پذیری کا راستہ مسدود کیا تھا، لیکن امن کے ماحول کی وجہ سے اس کے بارے میں بہتر ادراک کی فضا پیدا ہوگئی اور لوگ جوق در جوق مسلمان ہونے لگے۔

جب صلح حدیبیہ کو تحریری شکل دی جارہی تھی، اس وقت بھی قریش کے سفیر سہیل بن عمرو نے بعض نکات کے بارے میں اپنے تحفظات کا اظہار کیا۔ مثلاً انہوں نے معاہدہ کی دستاویز کے اوپر ''بسم اللہ الرحمن الرحیم'' تحریر کرنے کو قابل اعتراض قرار دیا۔ نیز وہ محمد مصطفیٰ ﷺ کے نام مبارک کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کی ترکیب استعمال کرنے کے ساتھ متفق نہیں تھے۔ رسولِ اکرم ﷺ نے ان کے ملاحظات کو معقول قرار دیا۔ چناں چہ بسم اللہ کی جگہ

باسمك اللهم اور رسول اللہ کی جگہ ابن عبداللہ کے الفاظ تحریر کیے گئے۔

رسولِ اکرم ﷺ نے اس قسم کے نکات میں تکنیکی پیچیدگیوں میں الجھنے کے بجائے اصل ہدف کو سامنے رکھا اور امن کے معاہدے کو یقینی بنانے میں ہر ممکن تعاون فرمایا۔(تاریخ الامم والملوك للطبری، ج:۲، ص: ۷۱ تا ۹۱)

سیاسی امور میں منہج نبوی ﷺ کا سب سے بڑا مظاہرہ فتح مکہ کے موقع پر دیکھا جاسکتا ہے۔آپ ﷺ نے مکہ فتح کرنے کے لیے اس قسم کی تدابیر اختیار فرمائیں،جس کے ذریعے خون بہائے بغیر اس کو فتح کیا جاسکے۔

فتح حاصل کرنے کے بعد بھی آپ نے کسی قسم کا انتقام نہیں لیا، بلکہ عمومی معافی کا اعلان کیا،جس کی وجہ سے لوگ جوق در جوق ایمان والوں کی صف میں شامل ہوگئے۔(تاریخ الامم والملوك للطبری، ج:۲، ص: ۱۱۰ تا ۱۴۰)

رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ طیبہ پوری انسانیت کے لیے ایک مشعل راہ ہے۔اگر آج ہم اپنے امور ومعاملات آپ کی سیرت وتعامل کی روشنی میں چلانے کے لیے مستعد ہوجائیں تو اللہ تعالیٰ کی نصرت ہمارے شامل حال ہوگی۔

اللہ ہمارا حامی وناصر ہو،آمین۔



اظہارتعزیت

گزشتہ دنوں مولانا عطاء الرحمٰن اشرف (سیالکوٹ) محترمہ عابدہ یزدانی صاحبہ (گوجراں والا) باجی زبیدہ امین صاحبہ ودیگر احباب جو وفات پاگئے ہیں ان سب کی مغفرت کے لیے ادارہ نصر الائمہ گوجراں والا دعا گو ہے اور بلندیٔ درجات کی دعاؤں کی درخواست کرتا ہے۔

(امیر حمزہ حماد طور، ادارہ نصر الائمہ گوجراں والا)

جامعہ تعلیم الاسلام ماموں کانجن (فیصل آباد) کے رئیس

حضرت مولانا عبدالقادر ندوی جوارِ رحمت میں

جامعہ تعلیم الاسلام ماموں کانجن (فیصل آباد) کے رئیس اور گلشن صوفی محمد عبداللہ (امیر المجاہدین) رحمہ اللہ کے باغبان،طلبائے علومِ دینیہ کے لیے سراپا شفقت ومحبت، مطالعہ کتب وافزائش علم ومعرفت کے شوقین حضرت مولانا عبدالقادر ندوی ۸ مارچ ۲۰۱۱ء بروز منگل بوقت شام وفات پاگئے۔انا لله وانا اليه راجعون

حضرت ندوی رحمہ اللہ ایک سادہ منش بزرگ،ملن سار،علومِ دینیہ وکتب اسلامیہ سے غایت درجہ محبت رکھنے والے،طلبائے جامعہ تعلیم الاسلام کی ضروریات اور ان کی تعلیم کے لیے دن رات کوشاں رہنے والی شخصیت تھے۔مسلک اہل حدیث کے ابلاغ اور کتاب وسنت کی نشر واشاعت کے لیے بھی ان کی مساعی جمیلہ خراجِ تحسین کی مستحق ہے۔

کچھ عرصے سے بعض عوارض کے باعث علیل تھے۔ان کی عمر تقریباً ۸۶ برس تھی۔ان کی زندگی بڑی سادگی،متانت اور وقار سے گزری۔مرحوم کی نماز جنازہ حضرت مولانا حافظ عبدالسلام بھٹوی حفظہ اللہ نے پڑھائی۔ ہزاروں افراد شریک جنازہ ہوئے۔ احباب جماعت سے بھی دعائے مغفرت کی درخواست ہے۔(محمد سلیم چنیوٹی)

مکاتیب علمیہ

دو علمی مکاتیب

مولانا عبداللہ سرور حفظہ اللہ......مولانا ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ

①

ہمارے فاضل دوست مولانا عبداللہ سرور حفظہ اللہ (صدر المدرسین دارالعلوم تقویۃ الاسلام غزنویہ) گاہے گاہے ''الاعتصام'' کی کے معیار کی بہتری کے لیے کبھی کبھار کچھ سوالات اور تجاویز ارسال فرماتے رہتے ہیں۔ تفسیر سورہ فاطر کی قسط اوّل کے بعد مولانا نے کچھ استفسارات ارسال فرمائے تھے جو ''الاعتصام'' نے صاحب تحریر...... تفسیر سورہ فاطر...... کو من وعن ارسال کردیے۔ مولانا اثری حفظہ اللہ کے جواب موصول ہونے پر مفید یہی جانا گیا کہ سوالات وجوابات ایک ہی اشاعت میں شائع کردیئے جائیں۔ (الاعتصام)

ہفت روزہ ''الاعتصام'' کی جلد نمبر ۶۳، شمارہ نمبر ۸ میں مولانا ارشاد الحق اثری حفظہ اللہ کی تفسیر سورۃ فاطر کی پہلی قسط شائع ہوئی ہے۔ جسے پڑھنے کے بعد مندرجہ ذیل شبہات پیدا ہوئے ہیں۔ امید ہے ان کے جواب شائع فرمائیں گے۔ تاکہ بے قراری ختم ہوسکے۔

۱: ﴿ان اللہ علی کل شیء قدیر﴾ کا ترجمہ ''بے شک اللہ ہر چیز پر پوری طرح قادر ہے'' کیا گیا ہے۔ ''پوری طرح'' کا اضافہ کس بنا پر کیا گیا ہے۔ کیا کسی ہستی کو پوری طرح نہ سہی تھوڑی بہت قدرت حاصل ہے۔

۲: حضرت ثابت البنانی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت داؤد علیہ السلام نے اہل خانہ کے لیے اوقات کو تقسیم کردیا تھا۔ یوں ہر وقت گھر میں نماز پڑھنے کا اہتمام تھا۔ (ابن کثیر: ۳/۶۹۸)

اس قول کو نقل کرنے کا فائدہ میری سمجھ سے باہر ہے۔ کیا امت محمدیہ کا کوئی شخص ایسا کرسکتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حرم میں تقریباً نو امہات المومنین موجود تھیں۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے لیے نماز کے علیحدہ علیحدہ اوقات مقرر نہیں فرمائے۔ نہ ہی صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین سے ایسا کرنا ثابت ہے۔

نیز ثابت البنانی رحمہ اللہ کو داؤد علیہ السلام کے اس طریق کار کے بارے میں کیسے علم ہوا۔ وضاحت ضروری ہے۔

کیا شکر ادا کرنے کے لیے نماز کی ادائیگی ضروری ہے؟

کیا انسان کا دیگر شرعی ذمے داریوں کو بجا لانا شکر کے زمرے میں نہیں آتا؟

۳: محترم لکھتے ہیں کہ ''مدح'' کا لفظ ''حمد'' سے مقلوب ہے۔ جب کہ حمد کو اگر الٹا لکھا جائے تو ''دم ح'' بنتا ہے نہ کہ مدح۔

۴: ابتدائے آفرینش کے موقع پر فرمایا:

﴿الحمد للہ﴾ الآیۃ (الانعام: ۱)

کیا ایسا کہنا درست ہے یا اس قسم کے کلمات سے خلق قرآن کے مسئلے کو ہوا ملتی ہے جو کہ مسلک اہل سنت کے مطابق نہیں۔

۵: جب آدم علیہ السلام میں روح پھونکی گئی تو روح ان کے سر تک پہنچی۔ انہیں چھینک آئی۔ تو انہوں نے ﴿الحمد للہ رب العالمین﴾ کہا۔''

قرآنِ کریم کا طالب علم ہونے کی حیثیت سے جب غور کرتا ہوں تو معلوم ہوتا ہے کہ آدم علیہ السلام ﴿علم الاسماء﴾ حاصل کرنے کے باوجود اپنی غلطی پر ندامت کا اظہار کرنے کے لیے اللہ ربّ العزت سے ہی وہ کلمات سیکھتے ہیں۔ جن کو دہرانے کے بعد اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول فرماتا ہے۔ تو روح پھونکنے پر انہوں نے ﴿الحمد للہ

ربّ العالمین﴾ کے کلمات کیوں کرادا کر دیئے۔

اگر یہ کلمات انہوں نے از خود ادا کیے ہوتے تو تحمید العاطس انسانی فطرت کا حصہ بن جاتی۔ حالاں کہ ایسا نہیں ہے اور نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں کہ اگر چھینک مارنے والا ''الحمد لله'' کہے تو اس کے لیے یرحمك الله کہو۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر چھینک مارنے والا ''الحمد لله'' نہ کہے تو اس کے لیے اللہ کی رحمت کی دعا نہیں کی جائے گی۔

ایک دوسری حدیث میں رسول اللہ ﷺ نے اس فعل کو ان حقوق کو شمار کیا ہے جو ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر ہیں۔ فطرت میں شمار نہیں کیا۔

۶: موصوف لکھتے ہیں: ''طب جدید نے اعتراف کیا ہے کہ چھینک آنے پر دل کی حرکت بند ہوجاتی ہے۔'' اس بارے میں کوئی حوالہ نہیں دیا گیا۔ جب کہ میری معلومات کے مطابق وہ پانی جو انسان پیتا ہے۔ اس کے اخراج کی مختلف حالتیں ہیں۔ کچھ پیشاب کے ذریعے، یا پسینہ بن کر نکل جاتا ہے۔ کچھ پانی گرم معدہ پر پڑنے پر بخارات میں تحلیل ہوجاتا ہے جو جسم کے مختلف حصوں میں پھیل جاتے ہیں۔ اور ان کے نکلنے کے مختلف انداز ہیں۔ سر کی طرف چڑھنے والے بخارات چھینک کے ذریعے خارج ہوتے ہیں۔ چناں چہ روز مرہ کا مشاہدہ ہے کہ صحت مند آدمی جب سر میں گرانی محسوس کرتا ہے تو چھینک آنے سے وہ اپنے آپ کو ہلکا پھلکا محسوس کرتا ہے۔ ایک مسلمان کے لیے یہ حکم ہے کہ وہ ایسی حالت میں الحمد لله کہے۔ اور دوسرا مسلمان اسے یرحمك الله کہہ کر دعا دے۔ اس حق کو نبوی کلام ﷺ میں تشمیت العاطس کہا گیا ہے۔

زیادہ چھینکنے پر یہ معاملہ ختم ہوجاتا ہے اور ایسے شخص کو ''مذکوم'' زکام زدہ قرار دیا جاتا ہے۔

اگر مولانا کی بات تسلیم کرلی جائے تو پھر ہر قسم کی چھینک آنے پر الحمد لله کہنا ضروری ہوتا۔ اور زکام زدہ انسان دل کی حرکت بار بار بند ہونے سے اپنے آپ کو موت کا مسافر سمجھ بیٹھے گا۔ جب کہ حقیقت یہ نہیں ہے اس لیے یہ نظریہ تفصیل طلب ہے۔

۷: لا احصی ثناء . الحدیث کے ترجمہ میں لکھا گیا ہے۔ آپ اسی طرح ہیں جیسے آپ نے اپنی ثنا خود کی ہے۔

''آپ اسی طرح ہیں'' کے الفاظ کی حدیث کے سیاق وسباق سے مناسبت نظر نہیں آتی۔ اگر یہ ترجمہ ایسے کرلیا جائے ''الٰہا میں اس طرح تیری تعریف نہیں کرسکتا جس طرح تو نے خود اپنی تعریف کی ہے (تعریف کی بجائے حمد ہی کہا جائے تو بھی کوئی مضائقہ معلوم نہیں ہوتا۔ کیوں کہ حمد اب عام فہم لفظ بن چکا ہے۔)

احوال قیامت میں مذکورہ حدیث سے بھی ایسا ہی مفہوم واضح ہوتا ہے جس میں یہ ذکر ہے کہ مجھے سجدے کی حالت میں اللہ تعالیٰ اپنی حمد کے وہ کلمات سکھائیں گے جو آج تک کسی کو نہیں بتائے گئے۔ اور میں ان کلمات سے اپنے ''رب'' کی حمد بیان کروں گا۔ پھر مجھ سے سر اٹھانے کے لیے کہا جائے گا۔ الحدیث

۸: مزید برآں محسوس یہ ہوتا ہے کہ محترم دوست حدیث کے بارے میں علامہ البانی مرحوم کے حکم کو بڑی اہمیت دیتے ہیں۔ کیا علامہ البانی رحمہ اللہ کا کسی حدیث کو صحیح، حسن یا ضعیف قرار دینا۔ واقعی اتنی اہمیت رکھتا ہے کہ اسے قابل اعتنا سمجھا جائے۔ اگر ایسا ہے تو اس کے اسباب پر روشنی ڈالیں تاکہ اطمینانِ قلب حاصل ہوسکے۔

۹: محترم دوست نے بہت ساری ایسی باتوں کی رعایت روا نہیں رکھی جو کسی سورۃ یا قرآنِ کریم کی تفسیر کے لیے ضروری ہی نہیں لازمی ہیں۔ ان کی تفصیل پھر کسی وقت بیان کرنے کی جسارت کروں گا۔

۱۰: اگر میری کوئی بات مزاج سامی پر گراں گزرے تو طالب علم سمجھ کر درگزر فرمائیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿فاما السائل فلا

تنھر﴾ (الضحی) ''سائل کوڈانٹ ڈپٹ نہ کی جائے۔''

تلك عشرة كاملة ۔ والله اعلم

آپ کا خیر اندیش
عبداللہ سرور
تقویۃ الاسلام لاہور

(۲)

تقویۃ الاسلام لاہور کے مولانا عبداللہ سرور صاحب حفظہ اللہ نے تفسیر سورۃ الفاطر کی پہلی قسط کے حوالے سے کچھ اشکالات ذکر فرمائے ہیں۔ میں شکر گزار ہوں کہ انہوں نے اس ناکارہ کی معروضات کو قابل اعتنا سمجھا۔ مزید وضاحت پیش خدمت ہے۔

۱: فرمایا گیا کہ ﴿**ان الله علی کل شیء قدیر**﴾ کا ترجمہ ''پوری طرح قادر'' کیا گیا ہے۔ ''پوری طرح کا اضافہ کس بنا پر کیا گیا ہے؟''

عرض ہے کہ قرآنِ مجید کے ترجمہ میں ناکارہ نے حضرت مولانا حافظ عبدالسلام بھٹوی متعنا الله بطوله حیاته کے ترجمہ پر اعتماد کیا ہے۔ صرف بعض مقامات پر مناسب جزوی ترمیم کی جسارت کی ہے۔ ورنہ تمام آیاتِ مبارکہ کے ترجمہ میں انہی کے ترجمہ پر اعتماد کیا ہے۔ مولانا عبداللہ سرور غور فرمائیں کہ ''قدیر'' الرحیم کی طرح مبالغے کا صیغہ ہے اس لیے ''پوری طرح'' کا اضافہ اسی صیغے کی مناسبت سے بالکل درست ہے۔ ''هو قادر علی فلان'' کے اعتبار پر انسان کے لیے اس کا اطلاق جزوی ہے۔ اور مفردات میں اس کی وضاحت ہے۔

۲: حضرت داود علیہ السلام کے بارے عرض کیا تھا کہ انہوں نے ہر وقت گھر میں نماز پڑھنے کا اہتمام کیا تھا۔ تاکہ ''اعملوا اٰل داود شکرا'' پر عمل ہو۔ تفسیر ابن کثیر، ج:۳، ص:۶۹۸ کا حوالہ بھی دیا تھا۔ اس پر جو انہیں اعتراض ہے وہ امام ابن کثیر رحمہ اللہ پر ہونا چاہیے۔ البتہ یہ فرمانا کہ ''کیا شکر ادا کرنے کے لیے نماز کی ادائیگی ضروری ہے؟'' یہ ''ضروری'' والی بات کہاں سے در آئی؟ شکر زبان سے بھی اور نماز سے بھی، بلکہ نماز شکر کا کامل مظہر ہے۔ مضمون ہی میں بیان کی ہوئی حدیث ''افلا اکون عبداً شکوراً'' اور چاشت کی دو رکعتوں کو تمام اجزائے جسمانی کے لیے کافی قرار دینے کی حدیث کو ملحوظ خاطر رکھتے تو شاید یہ سوال نہ کرتے۔

مزید عرض ہے کہ ذکر زبان سے ہے ﴿**اقم الصلٰوۃ لذکری**﴾ میں ذکر کے لیے نماز کا حکم ہے۔ منافق کی نماز کو کہا گیا کہ ﴿**لا یذکرون الله الا قلیلا**﴾ تو پھر کیا یہاں بھی اس سوال کی گنجائش ہے کہ ''ذکر کرنے کے لیے نماز کی ادائیگی ضروری ہے۔''

۳: فرمایا گیا کہ ''محترم لکھتے ہیں کہ مدح کا لفظ حمد سے مقلوب'' ہے۔ جناب من! راقم نے تو لکھا ہے کہ ''بعض نے کہا ہے کہ مدح کا لفظ'' ...... الخ۔ آپ پوچھتے کہ یہ کس نے کہا تو عرض کر دیتا۔ کہ کس نے یہ لکھا ہے۔ ''مقلوب'' کے اطلاق میں شرح نخبہ ہی کو ملحوظ رکھا ہوتا تو شاید مولانا صاحب یہ زحمت نہ فرماتے۔

۴: ''ابتدائے آفرینش کے موقع پر فرمایا الحمد للہ'' ...... الخ۔ غالباً بات میں ابہام سمجھا گیا ہے پہلی سطر میں وضاحت ہے کہ ''اوّل وآخر'' صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہی الحمد ہے۔ مقصود ہے کہ ابتدائے آفرینش کے ذکر پر فرمایا گیا ہے۔ اور بعد کی آیت ''له الحمد فی الاولیٰ والاخرہ'' سے بھی اسی کی وضاحت کی گئی ہے۔

۵: حضرت آدم علیہ السلام کی چھینک کے بارے میں جو عقلی فکری گھوڑے دوڑائے گئے ہیں وہ بھی بے جا ہیں۔ جب اس کا ذکر حدیث میں ہے اور حدیث صحیح ہے تو اپنی فکر بدلنی چاہیے۔ تعارض کی اس فرضی کوشش کو کہیں کوئی ستم ظریف پرویزی فکر کی آئینہ داری پر محمول نہ کر بیٹھے۔

۶: عرض کیا تھا کہ ''طب جدید نے اعتراف کیا ہے کہ چھینک آنے پر دل کی حرکت بند ہوجاتی ہے۔'' اس پر فرمایا گیا کہ اس بارے میں حوالہ نہیں دیا گیا۔ عرض ہے اس بارے میں، ایک مرتبہ دوران گفتگو اس کا ذکر جناب حکیم منصور العزیز صاحب زید مجدہ نے کہا تھا۔ یہی بات یاد تھی جو عرض کردی گئی چھینک آنے کا سبب مولانا صاحب نے یہ ذکر کیا ہے کہ ''سر کی طرف چڑھنے والے بخارات چھینک کے ذریعے خارج ہوتے ہیں۔''

کیا اس کے علاوہ اور کوئی سبب نہیں؟ مولانا صاحب ناک کا بال کھینچ کر تجربہ کرلیں کہ کوئی اور سبب بھی ہے یا نہیں؟ پھر چھینک کا سبب اور اس کی کیفیت دونوں میں فرق ہے۔ مزکوم (زکام کا مریض) کے بارے میں آپ ﷺ کے ارشاد کے بعد الحمد للہ درست نہیں۔ حکم عام میں استثنائی صورت کا حکم بدل جاتا ہے۔

۷: لا احصی ثناء، الحدیث کے ترجمہ کے بارے میں فرمایا گیا ہے ''آپ اسی طرح ہیں'' کے الفاظ سیاق کے مناسب نہیں۔ کیسے مناسب نہیں؟ ''انت کما اثنیت'' کا بلاشبہ مفہوم ''کما اثنی علی نفسہ'' ہے اور یہی مفہوم ادا کرنے کی کوشش کی ہے کہ ''آپ اسی طرح ہیں جیسے آپ نے اپنی ثنا خود کی ہے۔ مولانا صاحب کا ترجمہ یوں ہے:

''الٰہا میں اس طرح تیری تعریف نہیں کرسکتا، جس طرح تو نے خود اپنی تعریف کی ہے۔'' جملہ ''لا احصی ثناء علیك، کما اثنیت'' نہیں بلکہ انت کا اثنیت ہے۔ نواب وحید الزماں نے بھی یہی ترجمہ کیا ہے: ''تو ایسا ہی ہے جیسی تو نے خود اپنی تعریف کی۔''

۸: مولانا صاحب فرماتے ہیں: محسوس ہوتا ہے کہ ''محترم دوست حدیث کے بارے میں علامہ البانی مرحوم کے حکم کو بڑی اہمیت دیتے ہیں۔ کیا علامہ البانی ؒ کا حکم واقعی اتنی اہمیت رکھتا ہے کہ اسے قابل اعتنا سمجھا جائے'' عرض ہے کہ علامہ البانی ؒ کو حدیث کی تحقیق میں جو اختصاص اس دور میں حاصل ہے اس کا اعتراف ہم جیسے طالب علموں کو تو ہے آپ بڑے لوگ ہیں آپ جو چاہیں کہیں اور لکھیں ہم کون ہوتے ہیں آپ کو ٹوکنے روکنے والے۔

علامہ البانی ؒ انسان تھے ان سے اگر تحقیق میں کہیں غلطی ہوئی ہے تو اس کے یہ معنی نہیں کہ ان کی خدمات کا ہی انکار کردیا جائے۔ پھر اس پہلی قسط میں صرف دو جگہ ان کے حوالہ سے بات آئی ہے ایک صحیح الترغیب سے اور دوسری الصحیحہ اور صحیح الموارد سے۔ جبکہ ثانی الذکر روایت میں صحیح ابن حبان کا حوالہ اور اس کے علاوہ امام ابن کثیر سے اسی روایت کے بارے میں مذکور ہے ''ھذا اسناد لا بأس بہ'' اب ایک حوالہ کی بنیاد پر مولانا صاحب کا یہ تبصرہ اور تاثر مبنی بر حقیقت ہے؟ جب کہ ساتھ آٹھ روایات دیگر مراجع سے مذکور ہیں۔

۹: فرمایا گیا: تفسیر میں بہت سی ضروری باتوں کی رعایت نہیں رکھی۔ حضرت مولانا! مجھ جیسا طالب علم سب ضروری باتوں کا استیعاب کیوں کر کرسکتا ہے؟ یہ تو آپ جیسے ذی علم کا مقام ہے۔ میں نے تو قرآنِ پاک کے ساتھ تقرب پیدا کرنے کی کوشش کی ہے۔ اور طالب علموں کے لیے مناسب باتوں کے ذکر پر اکتفاء کی ہے۔ اللہ تعالیٰ جو کچھ ہے قبول فرمائے اور اس میں کمی کوتاہی اور غلطی ہے تو معاف فرمائے۔

۱۰: آخری بات ﴿تلك عشرة كاملة﴾ کہنے کے لیے یہ فرمانا کہ ''میری کوئی بات مزاج پر گراں گزرے تو درگزر فرمائیں۔'' بالکل گرانی نہیں ہوئی آپ بے فکر رہیں۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اپنی کوتاہیوں کی اصلاح کی توفیق دے اور اپنی نوازشوں سے نوازتا رہے، آمین۔ والسلام

ارشاد الحق اثری

۳ مارچ ۲۰۱۱ء

مکاتیب علمیہ

سورة الفاتحة

چند تفسیری نکات واشارات

محمد سعید عابد (کوٹ اعظم خاں قصور)

☆ لغوی معنی: کھولنے والی

''قرآن کے اسرار ورموز کو''

''پڑھنے والے کی چشم بصیرت کو''

''حقائق ودقائق دین وشریعت کو''

''دل ودماغ کے بند دریچوں کو''

''قبولیت دعا کے دروازوں کو''

☆ مناجات ومکالمہ بین الانسان وبین الرحمٰن

ملاحظہ ہو حدیث قدسی: قسمت الصلاة بینی وبین عبدی ...... الی آخرة

☆ رابطہ عرشِ الٰہی اور فرشِ زمینی کے درمیان

☆ ابتدائی تین جملے: حمد وثنا بھی ہے اور تعریف وتوصیف بھی ربّ کائنات کی طرف سے ان میں خبر بھی ہے اور تعلیم بھی بندے کی طرف سے اعتراف واقرارِ عجز بھی اور دعا ومناجات وعرضِ نیاز بھی

☆ یہ آیات ذات وصفاتِ الٰہیہ کے ضمن میں گنجینۂ عرفان اور عقائد وایمانیات کے باب میں منبع فیضان ہیں۔

☆ ان میں اسماءِ حسنٰی کے جلال وجمال کا حسین امتزاج جلوہ گر ہے جو پڑھنے والے کے دل میں خوف اور رجا کے درمیان توازن رکھتا ہے۔

☆ إياك نعبد وإياك نستعين ۔

یہ وہ جملہ ہے جسے مذکورۂ صدر حدیث قدسی میں اللہ اور بندے کے درمیان مشترک قرار دیا گیا ہے۔ اور کمالِ بلاغت یہ ہے کہ یہ جملہ عین وسط سورت میں واقع ہے۔

☆ اس إياك نعبد وإياك نستعين ۔ میں صیغہ غائب سے صیغۂ خطاب کی طرف صعود میں جانے کیا کیا حکمتیں پنہاں ہوں گی۔

☆ اخلاصِ توحید اور طلب توفیق کی برکت سے غیاب کا اضطراب، حضور کی لذت میں ڈھلتا نظر آتا ہے۔

☆ توحید خالص پر استقامت اللہ تعالیٰ کی مدد سے ہی حاصل ہوسکتی ہے۔

☆ عبادتِ غیر اور استعانت غیر ایک ہی درجے کے جرم ہیں۔

☆ جس طرح غیر اللہ کی عبادت حرام ہے اسی طرح غیر اللہ سے استعانت بھی حرام ہے۔ اهدنا الصراط المستقيم

☆ التجا ہے بارگاہِ اقدس میں کہ الٰہی! ہمارے عقیدہ وعمل کی سیدھی راہ کی نشان دہی فرما اور اس پر قائم رکھ۔

☆ اس راہ کی مشکلات کے مقابلے کے لیے مطلوب حوصلہ اور ہمت عطا فرما۔

☆ اس راہ میں پیش آنے والی مادی اور روحانی آزمائش آسان فرما۔

☆ نفس اور شیطان کے بہکاوؤں سے محفوظ رکھ۔ نیز شیاطین جن وانس کی ترغیبات وترہیبات کو ہماری نگاہ میں حقیر وبے وقعت کردے۔

﴿صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ۬ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَ لَا الضَّآلِّيْنَ ۝﴾

☆ انعام یافتگانِ بارگاہِ الٰہی (انبیاء وصدیقین اور شہداء وصالحین) اور مستحقین غضب یعنی اہل حق (حزب اللہ) اور اہل باطل (حزب الشیطان) کے درمیان مستقل آویزش کی جانب اشارہ واضح ہے۔

☆ اہل حق (حزب اللہ) کا اللہ تعالیٰ کی جناب سے انعام پانا اور اہل باطل (حزب الشیطان) کا گرفتارِ غضب ہونا صراحت ہے اس امر کی کہ اللہ تعالیٰ اس آویزش میں غیر جانبدار یا لاتعلق نہیں۔ (۱)

☆ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اہل حق کے لیے اوّلیں انعام اس کی تائید ونصرت ہے۔

☆ یہ تائید ونصرت کبھی غلبہ ظاہری کی صورت میں ظہور پذیر ہوتی ہے بدر وحنین اور فتح مکہ اس کی نمایاں مثالیں ہیں۔

☆ کبھی یہ تائید ونصرت راہِ حق پر توفیق استقامت کی شکل میں سامنے آتی ہے۔ حضرت بلال، حضرت یاسر اور حضرت امّ عمارہ رضی اللہ عنہم اس کی درخشاں مثالیں ہیں۔

☆ گویا سیرتِ طیبہ کا مدنی دور مظہر ہے۔ تائیدِ الٰہی کی پہلی صورت (غلبہ ظاہری) کا اور مکی دور عکس ہے نصرتِ الٰہی کی دوسری صورت (توفیق استقامت) کا اور بقول سید قطب شہید رحمہ اللہ: نصرت کی اعلیٰ اور ارفع ترین شکل یہ ہے کہ روح مادے پر، عقیدہ اذیتوں پر اور ایمان آزمائشوں پر غالب رہے۔

(۱) فعل انعام کی نسبت براہِ راست اللہ تعالیٰ کی طرف کرنے اور وقوع غضب کے ذکر میں فعل غضب کے صدور کو مجہول رکھنے میں بارگاہِ باری تعالیٰ کے ادب کی تعلیم کے ساتھ ساتھ اس حقیقت کی طرف اشارہ بھی مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے انعامات کا اعلان اور حصولِ انعام کی دعوت عام ہے۔ یہ بندہ ہے جو اس کے انعام سے منہ موڑ کر اس کے غضب کو دعوت دیتا ہے۔ اور جنت کے کھلے دروازے چھوڑ کر جہنم کے دروازے کھٹکھٹاتا پھرتا ہے۔ واللہ اعلم

عبادلہ اربعہ

ابوحمزہ سعید مجتبیٰ السعیدی (دارالسعادۃ، منکیرہ، ضلع بھکر)

''عبادلہ'' یہ ''عبداللہ'' کی جمع ہے۔ امام نووی رحمہ اللہ نے ''التقریب'' میں اور حافظ ابن الصلاح رحمہ اللہ نے ''المقدمہ'' میں حافظ ابن عبدالبر رحمہ اللہ کی کتاب ''الاستیعاب'' کے حوالے سے شمار کر کے لکھا ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین میں دوسوبیس صحابہ کا نام ''عبداللہ'' ہے۔ جب کہ ان سے متاخر علامہ جلال الدین السیوطی رحمہ اللہ رقم طراز ہیں کہ ''ابن فتحون'' نے ان سے مزید تقریباً تین سو اصحاب ایسے شمار کیے ہیں جن کے نام ''عبداللہ'' ہیں۔ اس طرح یہ تعداد پانچ سو بیس کے قریب جا پہنچتی ہے۔

عبادلہ اربعہ:

محدثین کے ہاں ''عبادلہ'' کی ایک اصطلاح معروف ہے۔ امام نووی رحمہ اللہ رقم طراز ہیں کہ اس سے ''عبداللہ'' نامی چار صحابہ کرام مراد ہوتے ہیں، یعنی عبداللہ بن عمر، عبداللہ بن عباس، عبداللہ بن زبیر اور عبداللہ بن عمرو بن العاص (رضوان اللہ علیہم اجمعین)

یاد رہے کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ علم وفضل کے نہایت بلند مرتبہ پر فائز ہونے کے باوجود ان میں شمار نہیں ہوتے۔

علامہ سیوطی رحمہ اللہ لکھتے ہیں کہ امام احمد بن حنبل رحمہ اللہ کا بھی یہی موقف ہے۔

امام بیہقی رحمہ اللہ اس کی وجہ لکھتے ہیں کہ عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کی وفات ان باقی اصحاب سے قبل ہوئی اور باقی حضرات ان سے بعد ایک طویل عرصے تک حیات رہے اور لوگوں نے ان کے علم وفضل اور فقہ وفتویٰ سے بھرپور استفادہ کیا۔ جب کسی مسئلے میں ان مذکورہ چاروں اصحاب کی رائے متفق ہوتی تو کہا جاتا کہ یہ ''عبادلہ'' کا قول ہے۔

عبادلہ کی تعداد:

عام طور پر مذکورہ بالا چاروں حضرات کے مجموعہ کو ''عبادلہ'' یا عبادلہ اربعۃ'' کہا جاتا ہے۔ تاہم ایک مرجوح قول کے مطابق ''عبادلہ'' تین ہیں۔ اس صورت میں عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کا نام ساقط کر دیا جاتا ہے۔

جوہری رحمہ اللہ نے ''الصحاح'' میں ''عبادلہ'' کے تحت تین ہی نام لکھے ہیں انہوں نے چوتھا نام (عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ) نہیں لکھا۔

تنبیہ:

امام نووی رحمہ اللہ نے اپنی کتاب تہذیب الاسماء واللغات ج:۱، ص:۲۶۷ پر لکھا ہے کہ جوہری رحمہ اللہ نے عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کی بجائے عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کا نام ذکر کیا ہے۔ یہ امام نووی رحمہ اللہ کا وہم ہے۔ کیوں کہ درحقیقت ایسا نہیں۔ البتہ ''الرافعی'' نے ''الدیات'' میں اور ''الزمخشری'' نے ''المفصل'' میں لکھا ہے کہ ''عبادلہ'' کا اطلاق ابن مسعود، ابن عمر اور ابن عباس رضی اللہ عنہم اجمعین پر ہوتا ہے۔

یہ لکھنے میں بھی ان ہر دو حضرات سے سہو ہوا ہے۔ عبداللہ نامی صحابہ کی کثیر تعداد کے باوجود ان حضرات کے علاوہ باقی حضرات کے لیے ''عبادلہ'' کی اصطلاح مستعمل نہیں۔

(التقریب للنووی رحمہ اللہ، تدریب الراوی للسیوطی رحمہ اللہ)

ایڈیٹر کی ڈاک

از عبدالمنان نور پوری

بطرف جناب محترم حافظ احمد شاکر صاحب حفظهما الله القادر

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

اما بعد! خیریت موجود عافیت مطلوب۔ کل بروز جمعرات ۱۴۳۲/۳/۲۰ھ کی بات ہے کہ ظہر کے بعد مولانا فاروق الرحمٰن صاحب استاذ جامعہ سلفیہ فیصل آباد اور ان کے ساتھی عثمان اسحاق صاحب دونوں میرے پاس بیٹھے تھے کچھ مسائل پر گفتگو ہو رہی تھی کہ حاجی عبدالوحید صاحب کے بھیجے ہوئے ایک قاری صاحب تشریف لے آئے۔ انہوں نے صلاۃ تسبیح کے متعلق سوال کیا اس فقیر الی اللہ الغنی نے جواب دیا کچھ علماء صلاۃ تسبیح والی روایت کو ضعیف قرار دیتے ہیں۔ ویسے ہمارے نزدیک یہ روایت ثابت ہے حسن درجہ سے کم نہیں ہاں اس نماز کی جماعت ثابت نہیں۔

قاری صاحب نے فرمایا یہ لکھ دیجیے انہیں جواب دیا گیا کہ یہ مسئلہ کتاب احکام ومسائل میں لکھا ہوا ہے وہاں سے دیکھ لیں پھر کتاب نکال کر ان کو دکھائی تو ''احکام ومسائل'' جلد:۱،ص:۲۵۷ پر محمد حنیف قصوری کے سوال ''نماز تسبیح والی روایت سنداً صحیح یا نہیں؟'' کے جواب میں لکھا ہے ''صلاۃ تسبیح والی روایت کے بارہ میں صاحب مرعاۃ اور صاحب تحفۃ الاحوذی لکھتے ہیں:

"لا ينحط عن درجة الحسن" اور رسالہ "الترجيح لحديث صلاة التسبيح" کے مقدمہ میں لکھا ہے "والحاصل أن حديث التسبيح صحيح لغيره لأن له طرقا على شرط الحسن، فيضم بعضها إلى بعض، ويقوى بعضها ببعض، ويصير الحديث صحيحا" اس کے بعد ''احکام ومسائل'' میں لکھا ہے۔ نیز صاحب مشکوٰۃ فرماتے ہیں: "ورواه أحمد عن رجل" اور اس پر تعلیق میں شیخ البانی لکھتے ہیں: "في المسند (۵/ ۷۲ـ۳۷۷) وكذا الحاكم (۱/ ۲٦۳) وإسناده صحيح (۱/ ٤۱۹)" فاروق الرحمٰن سمیت ہم اس کو مسند احمد سے ڈھونڈنے لگ گئے مگر محولہ بالا مقام پر ہمیں صلاۃ تسبیح والی روایت "عن رجل" نہ ملی مولانا فاروق الرحمٰن صاحب نے نشان دہی فرمائی صلاۃ تسبیح والی روایت اور ہے اور جس روایت کے متعلق صاحب مشکوٰۃ "ورواه أحمد عن رجل" فرما رہے ہیں یہ روایت اور ہے صلاۃ تسبیح والی نہیں۔ شیخ البانی صاحب رحمہ اللہ نے مسند امام احمد اور مستدرک حاکم کا حوالہ صحیح لکھا ہے۔ یہ کتاب احکام ومسائل میں خطا ہوگئی ہے کہ "ورواه أحمد عن رجل" والی روایت صلاۃ تسبیح والی روایت نہیں جب کہ اسے صلاۃ تسبیح والی روایت سمجھ لیا گیا ہے۔

اس نشان دہی پر یہ فقیر الی اللہ الغنی مولانا فاروق الرحمٰن صاحب کا شکریہ ادا کرتا ہے اور دل کی گہرائیوں سے دعا کرتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کے علم، عمل، رزق اور عمر میں برکت فرمائے۔ آمین یا رب العالمین

یہ اس لیے لکھ رہا ہوں کہ کتاب احکام ومسائل کے قاری اس خطا کی تصحیح فرما لیں۔ آئندہ طباعت میں کتاب کے اندر بھی اس کو صحیح کر دیا جائے گا۔ ان شاء اللہ

تمام احباب واخوان کی خدمت میں تحیہ سلام پیش فرما دیں۔

اس مضمون کو اپنے مؤقر جریدہ ''الاعتصام'' میں شائع فرما کر شکریہ کا موقع دیں۔ اللہ تعالیٰ جناب کو دنیا وآخرت میں جزائے خیر سے نوازے۔ آمین یا رب العالمین

ابن عبدالحق
۱۴۳۲/۳/۲۱ھ سرفراز کالونی
گوجراں والا

بمقام جامعہ علوم اثریہ جہلم

بتاریخ 23 بدھ 24 جمعرات مارچ 2011

صبح 8 بجے سے شام 6 بجے تک

آنکھوں کے علاج اور آپریشن کا

فری آئی کیمپ

10 واں سالانہ

★ جس میں بین الاقوامی شہرت یافتہ تجربہ کار، آئی سپیشلسٹ ڈاکٹر آنکھوں کا معائنہ اور علاج کریں گے۔

★ تمام مستحق مریضوں کو آپریشن کے ذریعے آئی، او، ایل (IOL) بھی فری لگایا جائے گا۔

★ دوران علاج دوائیں، رہائش اور کھانا بلا معاوضہ مہیا کیا جائے گا۔

نوٹ: آپریشن والے مریض بستر اور برتن ہمراہ لائیں۔

بتعاون

البصر انٹرنیشنل فاؤنڈیشن

مؤسسة البصر الخيرية

زیر انتظام

الابراہیم آئی ہسپتال ملیر، کراچی

زیر اہتمام

اثریہ سوشل ویلفیئر ونگ

انجمن اہل حدیث جہلم

اہل حدیث یوتھ فورس

اہل حدیث سٹوڈنٹس فیڈریشن

0544 613671 فون 613684 فیکس 613672-73

مناجات

الٰہی انتہائے عجز کا اقرار کرتا ہوں — خطا و سہو کا پتلا ہوں استغفار کرتا ہوں
ہوائے شوق کی ہر موج طوفانی رہی اب تک — مری کشتی غریق بحر نادانی رہی اب تک
اگرچہ روح میں اِک شورِ محشر خیز لایا تھا — اگرچہ شیشہ دل درد سے لبریز لایا تھا
رہی لیکن سکوں میں زندگی کی جستجو مجھ کو — دماغ خام نے رکھا شہید رنگ و بو مجھ کو
مری تسکین و راحت تھی جہانِ نغمہ و گل میں — سمجھتا تھا کہ ہے فردوس گوش آوازِ بلبل میں
اگرچہ روح میں موجود تھی لہروں کی طغیانی — رہا شرمندۂ ساحل مرا ذوقِ تن آسانی
میں سمجھا تھا سکونِ خواب کو سامانِ بیداری — مِری نا تجربہ کاری! مِری نا تجربہ کاری!
یہ تیرا فضل ہے بے شک کہ اب تک زندہ ہوں یارب — گزشتہ زندگانی پر بہت شرمندہ ہوں یا رب
ترے لطف و کرم نے آج میری رہنمائی کی — مری پستی نے اُٹھ کر بامِ ہستی تک رسائی کی
کہاں ہے قسمت خوابیدہ میں یہ کیف بیداری — نشاطِ زندگی کا چشمہ نکلی شعلہ رفتاری
پہاڑوں میں جہاں بہتی ہے آبِ تند کی دھارا — مری آنکھوں نے دیکھا آج وہ پر جوش نظارا
نظر آئیں مجھے اُٹھتی ہوئی بڑھتی ہوئی موجیں — وفورِ جوش میں موجوں کے سر چڑھتی ہوئی موجیں
مجھے توفیق دے ان گرم رَو موجوں سے مل جاؤں — مرا مقصد یہ اسلام کی فوجوں سے مل جاؤں
روانی سے مبدل ہوچکی اُفتادگی میری — اُسی میدان کی جانب ہے آب آمادگی میری
وہی میدان جس میں گونجتی ہیں زندہ تکبیریں — جہاں مرقوم شمشیروں پہ ہیں پائندہ تقدیریں
وہی میدان یعنی آخری منزل عبادت کی — جہاں بکھری پڑی ہے خاک پر دولت شہادت کی

قلم ہی تک نہ رکھ محدود یا رب ولولہ میرا
بڑھا دے حوصلہ میرا، بڑھا دے حوصلہ میرا

(ابوالاثر حفیظ جالندھری)